ماہنامہ

# پیام عرفات

رائے بریلی

## اصل خطرہ

''مجھے اصل خطرہ اس ضمیر سے ہے جس نے اپنا کام کرنا چھوڑ دیا ہے، ضمیر کا کام ہے احتساب اور غلطیوں کی گرفت، خواہ وہ اپنے باپ اور بھائی سے سرزد ہوئی ہو یا کسی ذی وقار پیشوا اور رہنما سے، اگر یہ ضمیر مردہ ہوجائے اپنا فطری عمل چھوڑ دے، اپنی افادیت کھو بیٹھے، اور اس میں حقائق کے اعتراف کی صلاحیت باقی نہ رہ جائے تو یہی سب سے بڑا خطرہ ہے یہ انسانیت کی موت ہے، ایک انسان مرتا ہے، تو ہزاروں انسان پیدا ہوجاتے ہیں، لیکن جب ضمیر مردہ ہوجائے تو اجتماعی اور قومی ضمیر سے زندگی کے آثار ناپید ہوجاتے ہیں، جب قوم سے محاسبہ کی صلاحیت اور جرات ختم ہوجائے، جب تنقید واحتساب کی جگہ شاباشی اور داد وتحسین کے پھول برسنے لگیں تو یہ ایسا المیہ ہوگا جس کے بعد کسی المیہ کا تصور ہی ممکن نہیں۔''

(مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ)


مرکز الإمام أبي الحسن الندوي

دارعرفات، تکیہ کلاں، رائے بریلی

# انقلاب انگیز تبدیلی

ایک نہایت گہری اور انقلاب انگیز تبدیلی جو مسلمانوں کی ذہنیت ونفسیات میں اس پچاس سال کے اندر اندر واقع ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ آخرت پر ایمان عملاً کمزور ہوتا چلا جارہا ہے، اور اس کے نتیجے کے طور پر یا مستقلاً اصول اور صداقت کے مقابلے میں منافع ومصالح، آجل کے مقابلہ میں عاجل کو ترجیح دینے کا مرض پیدا ہوگیا ہے، اس سے مسلمان ایک بااصول، بلند اخلاق، پختہ سیرت جماعت کے بلند مقام سے گر کر ایک بے اصول، ناقابل اعتبار، ابن الوقت اور مصلحت پرست قوم کی ادنی سطح پر آتے جارہے ہیں، جس کے سامنے کوئی اخلاق معیار نہیں ہے، بلکہ صرف منافع ومصالح اور اغراض ومقاصد ہیں، یہ تبدیلی اس وقت شروع ہوئی جب ہندوستان اور تقریباً تمام اسلامی ممالک (جو کسی طرح یورپ کے زیر اثر آئے) مسلمانوں کو مغربی تہذیب، مغربی فلسفہ اخلاق اور مغربی معیاروں کے قبول کرنے کی دعوت دی گئی، مغربی اخلاق، فلسفہ علوم اور سیاست کا ہر طالب علم اور اس زمانے کا ہر واقف آدمی جانتا ہے کہ یورپ کا سارا نظام زندگی تمام تر مادہ پرستی اور مصلحت جوئی پر مبنی ہے، ''افادیت'' اور ''استفادیت''، ''مصلحت بینی'' اس نظام زندگی کے ریشہ ریشہ میں سرایت کرچکی ہے، سارا یورپ اس وقت سے جب سے اس نے کلیسا کے اقتدار سے اپنے آپ کو آزاد کرایا، صرف ایک ہی عملی مذہب رکھتا ہے (جس کے خلاف کسی گوشہ میں بھی عملاً کوئی بغاوت نہیں) اور وہ مذہب مادہ پرستی ہے، مسلم ممالک میں اس نظام کے غلبہ کا طبعی نتیجہ یہ ہے کہ آخرت کی اہمیت کم ہوتے ہوتے بعض حلقوں میں (جہاں یہ نظام اپنی پوری روح کے ساتھ مستولی ہے) معدوم ہوگئی ہے دنیاوی ترقی اور مادی فوائد ومنافع منتہائے نظر بن گئے ہیں، اصولی واخلاقی معیار فوائد کے مقابلے میں اپنی اہمیت بالکل کھو چکے ہیں، مسلمانوں میں اس دعوت کے علم برداروں نے ترقی (یعنی دنیاوی ترقی) پر اتنا زور دیا اور اس شد ومد اور بلند آہنگی سے مادی ترقی کی دعوت دی کہ بالارادہ یا بلاارادہ آخرت اور امور آخرت کی اہمیت کم ہوگئی، بلکہ بعض اوقات انہوں نے اس نظام اور ان افکار کی تضحیک وتنقیص کی جس میں دنیا کے مقابلے میں آخرت کی اہمیت زیادہ تسلیم کی گئی تھی، اور مسلمانوں کو دنیا پرست اور آخرت سے غافل ہونے سے روکنے کی کوشش کی گئی تھی ان جملوں اور ان تقریروں اور تحریروں کا مذاق اڑایا گیا اور ان کی ہجو کی گئی جن میں دنیا کو متاع قلیل اور متاع غرور کہا گیا تھا، دنیا پرست اور مادہ پرست اور منکر آخرت قوموں اور ملکوں (غالباً صحیح تر ایک قوم اور ملک) کو مسلمان نوجوانوں کے سامنے ایک بلند نمونہ اور معیار کامل کے طور پر پیش کیا گیا ہر تنقید سے بالاتر تھا، پھر جو نظام تعلیم قائم کیا گیا اس میں انکار آخرت کی روح بسی ہوئی تھی اس کی اساس اخلاق کے مقابلے میں ظاہری منافع کو ترجیح پر رکھی گئی تھی، اس میں شرافت اور اخلاق کے مقابلے میں خواہش نفس اور لذت کا عنصر غالب تھا، وہ تمام تر ایسی قوم اور ایسی تہذیب کے ذہن کی پیداوار تھا جو سرتاپا منکر آخرت تھی دراصل یہ کسی مجرد نظام تعلیم کی قبولیت کی دعوت نہ تھی، اور نہ ایسا ممکن ہے بلکہ یہ ایک پوری تہذیب، تمدن ومعاشرت اور اخلاق وفلسفہ اجتماع کی دعوت تھی۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

بسم اللہ الرحمن الرحیم


اردو اور ہندی میں ایک ساتھ شائع ہونے والا

# پیام عرفات

مرکز الامام أبی الحسن الندوی
دار عرفات تکیہ کلاں رائے بریلی (یوپی)
www.abulhasanalinadwi.org

جلد: ۷ | مئی ۲۰۱۵ء | شمارہ: ۵



**سرپرست:** حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ (صدر، دار عرفات)

**نگراں:** مولانا محمد واضح رشید حسنی ندوی مدظلہ (جنرل سکریٹری، دار عرفات)

**مجلس ادارت**

بلال عبدالحی حسنی ندوی | مفتی راشد حسین ندوی | عبدالسبحان ناخدا ندوی
محمود حسن حسنی ندوی | محمد حسن ندوی

**معاون ادارت**

محمد نفیس خاں ندوی


## جب زمین ہلا دی جائے گی

إِذَا زُلْزِلَتِ الْأَرْضُ زِلْزَالَهَا ☆ وَأَخْرَجَتِ الْأَرْضُ أَثْقَالَهَا ☆ وَقَالَ الْإِنسَانُ مَا لَهَا ☆ يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ أَخْبَارَهَا ☆ بِأَنَّ رَبَّكَ أَوْحَى لَهَا۔

جب زمین اپنے بھونچال سے جھنجھوڑ کر رکھ دی جائے گی ☆ اور زمین اپنے بوجھ باہر نکال دے گی ☆ اور انسان کہے گا کہ اس کو ہوا کیا ہے ☆ اس دن وہ اپنی ساری خبریں بتادے گی ☆ کہ آپ کے رب نے اس کو یہی حکم دیا ہوگا ☆

(سورۃ الزلزال)


پرنٹر پبلشر محمد حسن ندوی نے ایس، اے، آفسٹ پرنٹرس، مسجد کے پیچھے، پھاٹک عبداللہ خاں، سبزی منڈی، اسٹیشن روڈ، رائے بریلی سے طبع کرا کر دفتر ''پیام عرفات'' مرکز الامام أبی الحسن الندوي، دارِعرفات، تکیہ کلاں رائے بریلی سے شائع کیا۔
Mail: markazulimam@gmail.com

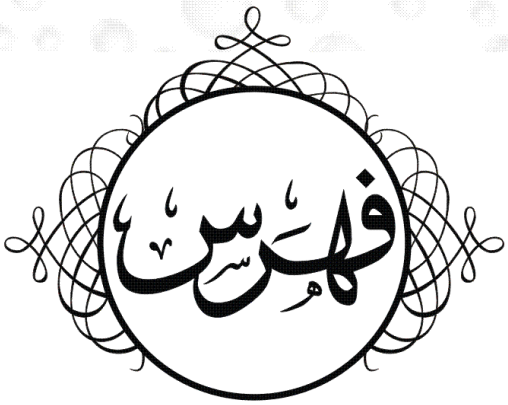



زلزلہ-نشانِ عبرت (اداریہ) ..... ۳
بلال عبدالحی حسنی ندوی

توبہ واستغفار ..... ۴
مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ

سیرت نبوی ﷺ -قرآن کریم کے آئینہ میں ..... ۵
بلال عبدالحی حسنی ندوی

خانگی امن میں شوہر کی ذمہ داریاں ..... ۷
عبدالسبحان ناخدا ندوی

اذان کی شرعی حیثیت-کلمات کے معانی اور فضائل ..... ۹
مفتی راشد حسین ندوی

اشیاء میں ملاوٹ ..... ۱۲
محمد فاروق الیاس

جنتی تاجر ..... ۱۳
محمد ارمغان بدایونی ندوی

امانت کا بلند تصور ..... ۱۴
امین حسنی ندوی

سوریہ نمسکار اور مسلمانوں کا موقف ..... ۱۵
صباح اسماعیل ندوی (کلکتہ)

یہودی طریقۂ کار ..... ۱۶

نئی نسل کے ایمان کی حفاظت ..... ۱۸
مولانا ثناء اللہ قاسمی

امت کیسے بنے گی؟ ..... ۱۹
حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ

ایمانی حرارت ..... ۲۰
ابوالعباس خاں


# جاہلیت کی واپسی

## خیر امت کی زبوں حالی پر ایک دلکش نظم

ہوئی ہے پھر فساد بحر و بر کی گرم بازاری
شعور خیر و شر سے پھر زمانہ ہو گیا عاری
زمانہ کا وہی ماحول جو بعثت سے پہلے تھا
جو ظلمت تھی قرون مظلمہ میں چار سو طاری
اسی ظلمت کی کالی آندھیاں مغرب سے پھر آئیں
رسوم جاہلیت کی ہے پھر اب گرم بازاری
وہ دور جاہلیت، وہ رعونت، وہ سیہ کاری
وہ خود رائی، وہ خود بینی، وہ حق پوشی، وہ خونخواری
وہ سیل دہریت، وہ حق فراموشی، وہ لادینی
وہ آزادی، وہ سرتابی، وہ بدمستی، وہ میخواری
وہ قتل عام، وہ آتش زنی، وہ فتنہ انگیزی
وہ افسانی ہلاکت خیزیاں، وہ مردم آزاری
وہ عقل خام کی پوجا، وہ خواہش کی پرستاری
وہ بندوں کی خدائی، وہ خدا سے عام بیزاری
وہ سلطاں کی پرستش، وہ غلامی نوع انساں کی
وہ آدم کش ترقی، ارتقاء کی وہ جفا کاری
وہ فتنہ، وہ فساد بحر و بر ہے پھر جوانی پر
وہی خوں عہد حاضر کی رگ و پے میں ہے پھر جاری
غضب یہ ہے کہ جو کرتا یہ فتنے درہم و برہم
گلے میں اس کے بھی ہے اقتدار کا طوق صد خواری
نظر خیرہ ہے، دل بیمار ہے، مرعوب ہمت ہے
مشکک، معترض، مسحور، خود ہی خیر امت ہے

نتیجہ فکر:- سید عبدالرب صوفی صاحبؒ

مدیر کے قلم سے

# زلزلہ-نشانِ عبرت

بلال عبدالحی حسنی ندوی

حال میں آنے والے زلزلہ نے نیپال اور ہندوستان کو ہلا کر رکھ دیا، دنیا کے مختلف ملکوں نے ہمدردی کا اظہار کیا، اور امدادی ٹیمیں ساز وسامان کے ساتھ پہنچ گئیں، مذہب وملت کی تفریق کے بغیر انسانوں نے انسانوں کے ساتھ ہمدردی کا برتاؤ کیا، زلزلہ کے ظاہری اسباب کا بھی جائزہ لیا گیا اور اس کی سائنسی توجیہات بتائی گئیں، آئندہ کے لیے تدابیر اختیار کرنے کی طرف بھی توجہ کی گئی، اور تازہ خبر یہ ہے کہ کثیر منزلہ عمارتوں کا جائزہ لیے جانے کی تجویز پیش کی گئی ہے، یہ سب کچھ ہوا لیکن اس کے اصل اسباب کی طرف کس کی نظر گئی؟ زمین کے اندر کی پلیٹیں اپنی جگہ سے کھسک گئیں، تو کس نے کھسکائیں؟ اور کیوں کھسکائیں؟ وہی مالک الملک اور قادر مطلق جس نے پہاڑوں کو زمین کے لیے میخیں بنایا، اور انسانوں کے لیے زمین کو اپنی جگہ پر ایسا مضبوط و مستحکم کر دیا کہ انسان اسی میں سب کچھ کرتا ہے اور وہ انسانوں کے لیے مسخر ہے کہ وہ سب کچھ سہتی ہے مگر سرتابی نہیں کرتی، اللہ نے سب کچھ انسان ہی کے لیے پیدا کیا اور انسان کو اپنے لیے پیدا کیا، آخر کیا سبب ہوا کہ زمین نے کروٹ لی اور نہ جانے کتنے لوگ لقمہ اجل بن گئے، کتنی فلک بوس عمارتیں زمیں دوز ہوگئیں، یہ سب کیوں ہوا اس پر غور کرنے کی ضرورت تھی۔

اگر کسی قوم کے پاس اس کا علم تھا تو وہ مسلمان تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے کتاب ہدایت بھی دی اور نبی اکرم ﷺ کی شریعت بھی دی، آنحضور ﷺ نے اس کے اسباب کا ذکر فرمایا ہے، ایک حدیث میں آپ ﷺ نے زلزلہ اور آفات ارضی وسماوی کے پندرہ اسباب بیان فرمائے ہیں:

(۱) جب مال غنیمت کو ملکیت سمجھ لیا جائے (۲) اور امانت کو مال غنیمت سمجھا جانے لگے (۳) زکاۃ کو ٹیکس سمجھ لیا جائے (۴) علم صرف دنیا کے لیے حاصل کیا جانے لگے (۵) آدمی اپنی بیوی کی بات مانے (۶) اور ماں کی نافرمانی کرے (۷) دوست کی دل داری کرے (۸) اور باپ کے ساتھ بدسلوکی کرے (۹) مسجدوں میں شور ہونے لگے (۱۰) قوم کا لیڈر سب سے ذلیل انسان کو مان لیا جائے (۱۱) آدمی کی عزت اس کے شر سے بچنے کے لیے کی جائے (۱۲) جب شراب پی جانے لگے (۱۳) اور مرد ریشم کا استعمال شروع کر دیں (۱۴) اور گانے والیاں اور موسیقی کے آلات اختیار کئے جائیں (۱۵) اور بعد والے گزرے ہوئے لوگوں پر لعنت بھیجنے لگیں۔ تو پھر اس وقت سرخ آندھیوں اور زلزلہ دھنسا دیئے جانے اور صورتیں بگاڑ دیئے جانے اور پتھروں کی بارش کا انتظار کرنا چاہیے، اور ایسی نشانیوں کا انتظار کرنا چاہیے جو تابڑ توڑ آنا شروع ہو جائیں جیسے بوسیدہ تسبیح کا دھاگہ ٹوٹ جائے اور دانے بکھرنے لگیں۔ (سنن ترمذی/۲۲۱۱)

یہ حدیث درس عبرت ہے خاص طور پر ایمان والوں کو جھنجھوڑنے والی ہے، دنیا کے موجودہ حالات اور مختلف ملکوں میں آفات ارضی وسماوی کا تسلسل ہمیں کیا سبق دیتا ہے، حدیث میں جو اسباب بیان کئے گئے ہیں آج سماج سوفیصد ان میں گرفتار ہے، گانے بجانے کا سلسلہ ہے، بے حیائی کے کام فیشن میں شامل ہیں، اور موبائل نے اس کو ایسا عام کر دیا ہے کہ گھر گھر یہ بلا داخل ہوگئی ہے، علم ایک تجارت بن گیا ہے جس میں صرف لین دین چلتا ہے، امانت داری رخصت ہو چکی ہے، عبادتوں کو زیادہ سے زیادہ ایک مجبوری سمجھ کر اختیار کیا جاتا ہے، اور گزشتہ علماء وائمہ پر تنقید کو شاید ترقی کا معیار سمجھا جاتا ہے، یہ وہ اسباب ہیں جن کے نتیجہ میں دنیا میں ایک بھونچال سا آیا ہوا ہے۔

ان حالات میں سب سے بڑی ذمہ داری علماء کی ہے، ایمان والوں کی ہے جن کے سامنے ایک نظام ہے اور وہ حقائق ان کے سامنے ہیں جو دوسروں کے سامنے نہیں، اللہ کی طرف سے یہ ایک تنبیہ ہے اور اگر اس سے سبق لیا جائے حالات کو بہتر بنانے کی کوششیں تیز کر دی جائیں، جن میں سب سے پہلی ذمہ داری خود اپنی ہے، ہر شخص اگر اپنی فکر کرے، اپنا محاسبہ کرے اور اپنی کمیوں کو دور کرنے کی کوشش کرے تو سماج کا رخ درست ہو سکتا ہے اور یقیناً اگر ہم سبق لیں تو یہ مصائب بھی اللہ کی رحمت ہی ہیں کہ یہ آخرت کے بڑے عذاب سے بچنے کا اور اللہ کی طرف رجوع کرنے کا ذریعہ ہیں، اور اگر خدانخواستہ ہم صرف ظاہری اسباب اور سائنسی توجیہات میں ہی رہ گئے اور ہم نے ان آفتوں سے سبق نہ لیا اور ہماری زندگی میں کوئی تبدیلی پیدا نہ ہوئی تو آگے اللہ ہی حافظ ہے۔

# توبہ و استغفار

مولانا عبداللہ حسنی ندویؒ

اللہ تعالیٰ نے انسان کو خطا والا بنایا ہے، کوئی انسان خطا سے خالی نہیں ہے، اسی لیے فرمایا گیا ”تم سب کے سب خطا کرنے والے ہو لیکن تم میں اچھے خطا کرنے والے وہ ہیں جو توبہ کرنے والے ہیں“ معلوم ہوا لغزش تو ہر ایک سے ہوگی، کوئی ایسا نہیں ہے جس سے لغزش یا خطا نہ ہو، ہر ایک کی اپنے اپنے اعتبار سے لغزش ہوتی ہے، جیسے بڑے گناہ کرنے والے، پھر چھوٹے گناہ کرنے والے، پھر عملی گناہ کرنے والے، پھر عقلی گناہوں والے، اور بڑے اور چھوٹوں میں فرق یہ ہے، کہ بڑوں کے گناہ عملی نہیں ہوتے اور اگر ہوتے ہیں تو بہت کم ہوتے ہیں، ان کے گناہ زبان وجسم سے نہیں ہوتے لیکن خیالات میں آجاتے ہیں، ذہنوں میں اس طرح کی چیزیں آجاتی ہیں جس پر پکڑ نہیں ہے، کیونکہ جب تک برے خیالات کسی انسان کے دماغ میں رہیں، وہ عمل میں یا زبان پر نہ آئیں اور آدمی ان سے گھبراتا رہے اور ان پر ندامت حاصل رہے تو اس پر پکڑ نہیں، لیکن اگر یہی خیالات انسان کے زبان وعمل میں آجائیں تو اس پر پکڑ ہوگی، اسی لیے بڑوں اور چھوٹوں میں یہ فرق ہے کہ بڑوں کو مشکل سے برا خیال آتا ہے لیکن آتا ہے تو ندامت ہوتی ہے، البتہ عموماً بڑوں کو بھی اس طرح کے خیالات آجاتے ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو بنایا ہی اس طرح ہے کہ اس طرح کے خیالات کبھی کبھی اس کو آجاتے ہیں، یہاں تک کہ صحابہ کرام بھی فرمایا کرتے تھے کہ بعض ایسے خیالات آتے ہیں کہ ایسا لگتا ہے ہم جل کر کوئلہ ہوجائیں تو بہتر ہے لیکن ہم اس کو بیان نہ کریں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر جو دماغ رکھا ہے اس کی حیثیت سڑک کی ہے، یا جی ٹی روڈ کی طرح ہے جس پر سب سواریاں چلتی ہیں، لہٰذا اس کے لیے ضروری یہ ہے کہ یہ سب سواریاں گزر جائیں بیچ میں نہ رکیں، کیونکہ رکنے میں جام لگ جائے گا، اور اگر جام لگے گا تو نقصان بھی ہوگا، اس لیے خیال آئے اور چلا جائے یہ درست ہے، اور اس پر مزید یہ ہو کہ انسان کو اس پر مستقل ندامت ہوتی رہے، کیونکہ جس قدر انسان کو ندامت ہوگی اتنا ہی وہ اللہ والا ہوگا، اسی لیے جتنے اللہ والے ہوتے ہیں ان کو ندامت بھی بے انتہاء ہوتی ہے۔

ندامت کا مطلب یہ ہے کہ انسان کو اپنے گناہ نظر آئیں اور اپنی خرابیاں وعیب اس کو دکھائی دیں ورنہ انسان کو اللہ نے کچھ ایسا بنایا ہے کہ اپنے اوپر اس کی نظر پڑتی نہیں ہے بلکہ دوسروں پر پڑتی ہے، جیسے انسان چہرہ اپنا نہیں دیکھتا ہے بلکہ دوسروں کا دیکھتا ہے، ایسے ہی انسان اپنے عیب نہیں دیکھتا بلکہ دوسروں کے عیب ضرور دیکھتا ہے، حالانکہ اگر کوئی اپنے آپ کو دیکھنے لگے تو اسی وقت وہ کہیں سے کہیں پہنچ جائے گا، یعنی اس کا مقام غیر معمولی بلند ہوجائے گا، اور گھمنڈ، تکبر، انانیت جیسی تمام بیماریاں ختم ہوجائیں گی، کیونکہ ان بیماریوں کی جڑ یہی ہے کہ انسان اپنے کو نہیں دیکھتا ہے، اور اگر اپنے کو دیکھ لے گا تو غیروں پر نظر ہی نہیں پڑے گی، اور اس کے بعد گھمنڈ اور انانیت کے آنے کا بھی سوال ہی نہیں ہے، حضرت مولانا احمد صاحبؒ نے کہا تھا۔

کھل گئی جب سے چشم بصیرت خود اپنی نظر میں گر گئے ہم

دراصل یہی حقیقت بھی ہے کہ جب انسان کی نگاہ اپنے اوپر پڑنے لگتی ہے تو دوسرے کو کیا دیکھے گا کیونکہ اس کے بعد وہ یہی سوچے گا کہ دن رات میں خود اتنے گناہ کرتا ہوں، دوسروں کے گناہوں کو کیا دیکھوں؟ لہٰذا اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس کے اندر سے تکبر، گھمنڈ اور اترانا بھی ختم ہوجائے گا، لیکن ایسا نہیں ہے تو جو جتنا چھوٹا ہوگا اتنا ہی اس کے اندر گھمنڈ ہوگا، کیونکہ اس کو خود اپنی نظر سے اپنا عیب نظر نہیں آتا، اس لیے اپنے کو دیکھنے کی مشق کرنی چاہیے، اور جب اس کے اندر ندامت کی کیفیت پیدا ہوجائے گی تو اس کی علامت یہ ہوگی کہ وہ کبھی تکبر نہیں کرے گا کیونکہ نادم آدمی کبھی متکبر نہیں ہوسکتا، اس لیے کہ ندامت اور تکبر میں تضاد ہے، یہ دونوں ایک ساتھ نہیں ہوں گے، اسی لیے روایت میں آتا ہے ”الندم توبة“ یعنی ندامت سراپا توبہ ہے، اسی لیے توبہ کے شرائط میں ندامت کا ہونا اہم ترین چیز ہے، جیسے کہ فرمایا گیا ”الحج عرفة“ یعنی حج کے اندر وقوف عرفہ اصل ہے، ایسے ہی اصل توبہ ندامت ہے، زبانی توبہ اصل نہیں ہے۔

# سیرت نبوی ﷺ

## قرآن کریم کے آئینہ میں

بلال عبدالحی حسنی ندوی

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے جب آنحضور ﷺ کی سیرت واخلاق کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا: "کان خلقہ القرآن" (آپ ﷺ کے اخلاق دیکھنے ہوں تو قرآن دیکھو) (مسند أحمد: ٢٦٠٤٤)

قرآن مجید کے احکامات ومواعظ کی عملی تفسیر آنحضور ﷺ کی زندگی ہے، آپ ﷺ نے اس کے اصول وکلیات کو اپنی مبارک زندگی سے ایسا کھولا ہے کہ اب وہ شریعت کی کھلی کتاب ہے، نہ قرآن مجید کو آنحضور ﷺ کی مبارک زندگی سے الگ کیا جاسکتا ہے اور نہ آپ ﷺ کی زندگی کو قرآن مجید سے الگ کرکے دیکھنا ممکن ہے، اور جو لوگ بھی دونوں کو الگ الگ کرنا یا دیکھنا چاہتے ہیں وہ دین وشریعت کے ساتھ بڑا ظلم کرتے ہیں، موجودہ دور کی انتہاء پسندیوں نے نہ جانے کیا کیا گل کھلائے ہیں، ایک طرف وہ لوگ ہیں جو سیرت کو قرآن سے الگ کرکے اس کو اپنے انداز سے پیش کرتے ہیں، اور دوسری طرف کچھ لوگ صرف قرآن مجید کو دین کی بنیاد قرار دے کر حدیث وسنت سے کنارہ کرلیتے ہیں، حقیقت میں یہ لوگ وہ ہیں جو دین کی سمجھ نہیں رکھتے، اور جتنا حصہ ان کی نگاہوں کے سامنے آجاتا ہے اس کو کل دین سمجھ لیتے ہیں، اس کے نتیجہ میں خود بھی گمراہ ہوتے ہیں اور نہ جانے کتنوں کو گمراہ کرتے ہیں۔

قرآن مجید اللہ کا کلام ہے اور وہ ایک تربیت کرنے والی کتاب ہے، اس میں ایک طرف بار بار حضور اقدس ﷺ کو خطاب کرکے تربیت امت کے ایسے نسخے نبی اکرم ﷺ کو عطا کئے گئے ہیں کہ ان کی روشنی میں آپ ﷺ کے فیض صحبت سے صحابہ کرام جیسی پاکیزہ جماعت تیار ہوگئی جس کو ساری امت کے لیے معلم ومربی قرار دیا گیا، دوسری طرف آنحضور ﷺ کی سیرت آپ کی صفات وکمالات کو جابجا امت کے سامنے پیش کیا گیا تاکہ امت ان صفات واخلاق کو اختیار کرکے ساری انسانیت کے لیے نمونہ بن سکے، اور پھر آپ ﷺ کے امت پر جو حقوق عائد ہوتے ہیں جن کو سمجھے بغیر یہ امت اپنے ذمہ سے سبکدوش نہیں ہوسکتی اور جن کا یقین واعتقاد ایمان کی علامت ہے اور ان کے بغیر ایک ایمان والا ایمان والا کہلانے کا مستحق نہیں، ان حقوق کو بھی بہت واضح طریقہ سے بیان کردیا گیا، اس طرح قرآن مجید کا نبی اکرم ﷺ سے جو رشتہ ہے وہ اتنا واضح کردیا گیا ہے کہ دونوں کو ایک دوسرے سے الگ کیا ہی نہیں جاسکتا، اور یہیں سے یہ بات کھل جاتی ہے کہ سیرت وسنت کے بغیر قرآن فہمی کے دروازے کھل ہی نہیں سکتے، اور اپنی عقل سے غور کرنے والا ایسے ٹھوکریں کھاتا ہے کہ وہ اللہ کی کتاب کو اپنی رائے اور منشاء کے تابع کردیتا ہے، اور ﴿يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا﴾ (البقرة: ٢٦) (اس کے ذریعہ سے وہ بہتوں کو گمراہ کرے گا) کا مصداق بن جاتا ہے۔

یہ امت خیر امت کہلائی اور اس لیے کہلائی کہ یہ آخری نبی کی امت ہے، اس کا وجود آنحضور ﷺ سے وابستہ ہے، ایک لمحہ کے لیے اگر اس تعلق کو کاٹ دیا جائے تو یہ حقیقت میں پوری امت کے لیے موت کے مرادف ہے، اس کا وجود ہی اس پر منحصر ہے کہ وہ اپنے رشتہ کو اپنے نبی سے مضبوط رکھے، اور کتاب الٰہی کے فہم کا جو راستہ صاحب وحی ﷺ کے ذریعہ سے حاصل ہوا اسی راستہ پر گامزن رہے۔

وحی اور صاحب وحی کے تعلق کو عام پیغام رساں کا جو پیغام کے ساتھ رابطہ ہوتا ہے اس پر ہرگز قیاس نہ کیا جائے، بعض مرتبہ پیغام پہنچانے والا یہ بھی نہیں جانتا کہ یہ پیغام کیا ہے، وحی الٰہی کو حضور اکرم ﷺ پر اتارا ہی اس لیے گیا کہ آپ ﷺ کے ذریعہ سے اس کو انسانوں کے لیے کھولا جائے، اور اس کی عملی تفسیر کی جائے، جو کسی دوسرے کے لیے ممکن ہی نہیں، اور پھر اس وحی قرآن کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے قلب اطہر پر بہت کچھ نازل فرمایا اور اس کو بھی وحی قرار دیا گیا، ارشاد ہوا ﴿وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ☆ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ﴾ (النجم: ٣-٤) (اور وہ خواہش سے نہیں کہتے ☆ وہ تو صرف وحی ہے جو ان پر کی جاتی ہے)

آنحضور ﷺ کے ذمہ جس طرح اس کی تبلیغ تھی جیسا کہ ارشاد ہے ﴿يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ﴾ (المائدة: ٦٨) (اے رسول جو آپ پر اترا ہے اسے آپ پہنچادیجیے) اسی طرح ان احکامات کی وضاحت بھی تھی جن کا فہم کسی اور کے لیے ممکن نہیں تھا،

اسی لیے ارشاد ہوا﴿وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ﴾ (النحل: ٤٤) (اور (کتاب) نصیحت آپ پر اس لیے اتاری تا کہ آپ لوگوں کے لیے ان چیزوں کو کھول دیں جو ان کی طرف اتاری گئی ہیں) اسی طرح انبیاء کو حلال وحرام کرنا ان کے منصب میں داخل تھا﴿وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ﴾ (الأعراف: ١٥٧) (اور ان کے لیے پاک چیزیں حلال کرے گا اور گندی چیزیں ان پر حرام کرے گا)﴿قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ﴾ (التوبة: ٢٩) (اہل کتاب میں سے ان لوگوں سے جنگ کرو جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان نہیں لاتے اور اللہ اور اس کے رسول کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حرام نہیں جانتے) اسی طرح اس کی عملی تفسیر مزید ان وضاحتوں اور تفصیلات کے ساتھ ضروری تھی جن میں بہت سی باتیں قرآن مجید میں نہیں تھیں بلکہ آپ ﷺ کے قلب اطہر پر ان کو اتارا گیا اور آپ ﷺ نے اس کی تفصیل بیان فرمائی، اسی لیے بار بار اتباع رسول ﷺ کا حکم دیا گیا اور اسی لیے﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ کا اعلان ہوا، اور خود بھی آنحضرت ﷺ نے ایک حدیث میں اس کی وضاحت بھی فرمائی اور ان خطرات سے آگاہ بھی فرمایا جو آپ ﷺ کے پیش نظر تھے، ارشاد ہوا:

''حضرت مقدام بن معدیکرب ؓ حضور اقدس ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: صاف سن لو مجھے قرآن مجید اور اسی کے مثل عطا کیا گیا ہے، سن لو قریب ہے کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا جس میں آدمی سیراب ہو کر اپنے مسہری پر ٹیک لگائے ہوئے ہوگا اور اس کا یہ دعویٰ ہوگا کہ تمہارے لیے صرف یہی قرآن کافی ہے، لہٰذا اس میں تم جو چیز حلال پاؤ بس اسی کو حلال جانو، اور جو چیز حرام پاؤ اسی کو حرام جانو، سن لو تمہارے لیے پالتو گدھے کا گوشت جائز نہیں ہے، اور نہ ہی ہر دانت والا درندہ اور نہ ہی اس شخص کا گرا پڑا سامان اٹھانا روا ہے جس سے عہد و پیمان لے لیا گیا ہو، الا یہ کہ وہ اس سے بے نیاز ہو، اور جو کسی کے یہاں مہمان بنے تو وہاں کے لوگوں پر اس کی ضیافت ضروری ہے، اگر وہ لوگ ایسا نہ کریں تو ان کو اسی کے بقدر سزا بھی دی جانی چاہیے''۔ (سنن أبي داؤد: ٤٦٠٦)

یہ اسوۂ رسول ہی ہے جس کو نجات کی ضمانت بتایا گیا ہے اور کہہ دیا گیا ہے کہ جس کو اللہ سے ملاقات اور آخرت کے دن کا یقین ہو اس کو چاہیے کہ وہ اس کی تیاری اسوۂ رسول ﷺ پر چل کر کرے اور اس عمل کو سہولت کے ساتھ اختیار کرنے کا نسخہ بھی بتایا گیا کہ جتنا اللہ کا دھیان پیدا کیا جائے گا اور اللہ کا ذکر ہوگا اتنا ہی دل اور دماغ اسوۂ رسول کو اختیار کرنے پر آمادہ ہوگا اور اس کو اختیار کرنے میں سہولت ہوگی، گویا کہ اسوۂ رسول کو اختیار کرنے کا بہترین ذریعہ ذکر الٰہی کی کثرت ہے، جتنا دل میں اللہ کا دھیان پیدا ہوگا اتنا ہی چھوٹی چھوٹی باتوں میں بھی اتباع رسول اختیار کرنے اور اسوۂ رسول پر چلنے کا جذبہ پیدا ہوگا، فرمادیا گیا﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا﴾ (الأحزاب: ٢١) (یقیناً تمہارے لیے اللہ کے رسول (ﷺ) میں بہترین نمونہ موجود ہے اس کے لیے جو اللہ اور آخرت کے دن کی امید رکھتا ہو اور اس نے اللہ کو بہت یاد کیا ہو)

سورۂ فاتحہ جو قرآن مجید کا مقدمہ ہے بار بار پڑھی جانے والی سورت ہے، اور جس کی بلاغت اور قوت بیانیہ کے آگے سر خم ہو گئے، اس کا اختتام جن بلیغ الفاظ کے ساتھ ہوا ہے اس سے پورا نظام زندگی اور اس کے بنیادی اصول سامنے آجاتے ہیں، اور یہ حقیقت کھل جاتی ہے کہ قرآن مجید پر عمل جب ہی ممکن ہے جب اللہ کے ان بندوں کا راستہ اختیار کیا جائے، جن پر اللہ کا انعام ہوا، اور ظاہر ہے ان **منعم علیہم** بندوں میں سرفہرست انبیاء علیہم السلام ہیں اور ان کے امام نبی اکرم ﷺ ہیں، گویا کہ سورہ فاتحہ میں یہ سبق دے دیا گیا کہ قرآن مجید سے تعلق اور اس میں علم وعمل کی گہرائیوں تک پہنچنے کا سرا جہاں سے ہاتھ آتا ہے وہ عالم انسانیت کیا، تمام عالموں کے سردار و رہنما کی رہنمائی کے بغیر ممکن نہیں، اسی لیے یہ دعا سکھادی گئی کہ﴿صِرَاطَ الَّذِينَ أَنعَمْتَ عَلَيْهِمْ﴾ (الفاتحة: ٦) (ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام کیا) قرآن اور صاحب قرآن سے تعلق جب تک یکساں نہ ہو حقیقت قرآن کا نصیب ہونا ممکن نہیں، اور اسلام کی پوری تاریخ میں وہی لوگ راہ راست سے ہٹے ہیں جنہوں نے اس رشتہ کو نہیں سمجھا، اور اپنی گاڑی اس پٹری پر نہیں چلائی (باقی صفحہ نمبر ۸ پر)

# خانگی امن میں شوہر کی ذمہ داریاں

عبدالسبحان ناخداندوی

شوہر کی طرف سے عام طور پر تین وجوہات سے معاملات بگڑتے ہیں: تکبر، کنجوسی اور بے صبری۔ قرآن کریم نے تینوں خامیوں سے روکا ہے۔ بسا اوقات ''شوہرانہ حقوق'' کے متعلق شوہر صاحب کا دماغ کچھ زیادہ ہی خراب ہوتا ہے۔ اور بات بات پر اپنی بڑائی جتلانے کو وہ ''کار خیر'' یا ''دینی حق'' سمجھتا ہے۔ ایسے لوگوں کا علاج قرآن کریم نے یوں کیا ہے۔ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ (البقرة ۲۲۸) (عورتوں کو معروف طریقہ کے مطابق ویسے ہی حقوق حاصل ہیں جیسے مردوں کو ان پر حاصل ہیں، ہاں مردوں کو ان پر ایک درجہ کی فوقیت ہے) یہ بات واضح رہے کہ یہ فوقیت بھی اللہ نے نظام درست رکھنے کے لئے دی ہے۔ عورتوں پر ظلم وتشدد کے لئے ہرگز نہیں دی ہے۔ ارشاد الٰہی ہے وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَاراً لِّتَعْتَدُوا وَمَن يَفْعَلْ ذَلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ وَلَا تَتَّخِذُوا آيَاتِ اللَّهِ هُزُواً وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَمَا أَنزَلَ عَلَيْكُم مِّنَ الْكِتَابِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُم بِهِ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ (البقرة ۲۳۱) (عورتوں کو اذیت پہنچانے کی غرض سے روکے نہ رکھو کہ ان پر زیادتی کرنے لگ جاؤ۔ جو بھی ایسا کرے گا وہ اپنے آپ پر ظلم ڈھائے گا۔ اللہ کی آیتوں کو مذاق نہ بناؤ، (یعنی اللہ کی ان ہدایات کو صرف وعظ ونصیحت کی باتیں قرار دے کر نظر انداز کرنا شروع کردو، اور یہ سمجھو کہ ہم تو اپنی ضد پوری کر کے رہیں گے، دیکھیں کیا ہوتا ہے، ایسی صورت میں اللہ کے یہاں سخت سے سخت معاملہ کے لئے تیار رہنا) اپنے اوپر اللہ کے احسان کو یاد رکھو۔ اسے بھی یاد رکھو کہ اللہ نے مہاری نصیحت کے لئے تم پر کیسی کتاب اتاری اور کیسی حکمت کی باتیں تمہیں بتائیں، دیکھو اللہ سے ڈرتے رہنا اور یہ بھی جان رکھو کہ اللہ ہر چیز کا پورا علم رکھتا ہے۔

مردانہ حاکمیت کا تصور قرآن کریم نے احساس ذمہ داری اور حق امانت کی ادائیگی کے لئے دیا ہے۔ یہ کوئی نشہ نہیں کہ جس کے خمار میں آدمی اللہ کے احکامات کو نظر انداز کرنا شروع کردے، بلکہ بعض آیات سے تو یہ پتہ چلتا ہے کہ مرد وزن دونوں مل کر ایک اکائی بنتے ہیں۔ ایک جگہ ارشاد ہے: هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ (البقرة ۱۸۷) (وہ عورتیں تمہارے لئے لباس ہیں اور تم ان کے لئے لباس ہو)۔ نہایت ہی بلیغ ٹکڑا ہے، جس میں دونوں کو یکساں قرار دیا گیا ہے اور زوجین کو ایک دوسرے سے یوں وابستہ دکھایا گیا ہے کہ اس سے آسان الفاظ میں اس سے بلیغ تعبیر ممکن ہی نہیں، لباس سے انسان شرم وحیا کا تحفظ کرتا ہے۔ اسی طرح زوجین میں ہر ایک دوسرے کے لئے باعث عصمت وعفت ہوتا ہے، لباس اندرونی عیوب کو ڈھانپ دیتا ہے۔ یہ آیت زوجین کے لئے ایک خاموش پیغام دیتی ہے کہ وہ ایک دوسرے کے رازدار رہیں کہ یہ بھی ازدواجی زندگی کا ایک حسن ہے۔ لباس زیب وزینت کے لئے بھی پہنا جاتا ہے، لہٰذا شوہر وبیوی ایک دوسرے کے لئے باعث زینت ہوں، شوہر بیوی کے لئے سر کا تاج اور بیوی شوہر کے لئے سکون قلب ہے، لباس سردی وگرمی سے بچاؤ کا سامان بنتا ہے، لہٰذا زوجین کی اخلاقی ذمہ داری ہے کہ وہ ایک دوسرے کی شخصیت کا دفاع کریں، طنز وتحقیر، غیبت وعیب جوئی کسی کے ساتھ جائز نہیں۔ بالخصوص زوجین کے حق میں تو یہ سم قاتل ہے۔ یہاں معاملہ دلداری اور حوصلہ افزائی کا ہو، لباس انسان سے اتنا قرب رکھتا ہے کہ گویا جزو بدن بن جاتا ہے۔ کیا اس مبارک آیت میں یہ پیغام نہیں کہ دونوں باہم ایسا ذہنی وقلبی قرب رکھیں کہ ایک جان دو قالب بن جائیں۔ رسول اکرم ﷺ نے اسے بھی باعث اجر وثواب بتایا کہ کوئی محبت سے اپنی بیوی کے منہ میں لقمہ دے، بلکہ اس سے بھی آگے کی بات یہ ارشاد فرمائی کہ حلال طریقہ سے صنفی تعلق قائم کرنا بھی باعث اجر وثواب ہے کہ اس کے ذریعہ انسان حرام کاری سے محفوظ رہتا ہے، اسی طرح لباس انسان پہنتے ہیں، گویا لباس انسانیت کی پہچان اور حیوانیت سے ممتاز ہونے کا بنیادی ذریعہ ہے۔ اس مبارک آیت

نے یہ بھی پیغام دیا کہ شادی شدہ زندگی ہی حقیقت میں صحیح انسانیت ہے۔ نکاح کے مقدس بندھن سے آزاد ہوکر اگر کوئی تعلقات زن وشوہر قائم کرتا ہے تو وہ نرا حیوان ہے۔ محض حیوان اور کچھ نہیں۔ بہرحال اس آیت نے دونوں کو قریب قریب ایک قرار دیا ہے۔ ایک اور جگہ مردوں وعورتوں سے خطاب کرتے ہوئے کہتے ہوئے یوں کہا گیا ہے: بَعْضُكُم مِّن بَعْضٍ (النساء۲۵) (تم سب آپس میں ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہو) یعنی بالکل ایک ہی ہو۔ جب اس انداز سے مرد وزن کو یکساں بتایا جائے تو پھر مرد کو کیا حق پہنچتا ہے کہ وہ مردانہ حاکمیت کا حوالہ دے کر تکبر کرے اور خواتین کو حقیر گردانے، یہ شرعاً ناجائز ہے۔

دوسری چیز بخل ہے جس کی وجہ سے خانگی سکون ختم ہوتا ہے، جس طرح شوہر کے لئے یہ مناسب نہیں کہ وہ اپنی چادر سے زیادہ پاؤں پھیلائے اور مانگ مانگ کر یا قرضوں پہ قرضے لے کر مصنوعی خوشحالی کی نمائش کرے اور زندگی کو بوجھل بنادے، اسی طرح یہ بھی غلط ہے کہ اپنی مالی وسعت کو بخل وحرص اور طمع کی زنجیروں میں جکڑ کر گھر والوں کے حقوق تلف کردے۔ قرآن کریم نے اس باب میں نہایت واضح ہدایت دی ہے۔ ارشاد ہے: لِيُنفِقْ ذُو سَعَةٍ مِّن سَعَتِهِ وَمَن قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهُ فَلْيُنفِقْ مِمَّا آتَاهُ اللَّهُ لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْساً إِلَّا مَا آتَاهَا سَيَجْعَلُ اللَّهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُسْراً (الطلاق:۷) (وسعت والا اپنی وسعت کے مطابق خرچ کرے۔ اور جس کا رزق محدود رکھا گیا ہو وہ اللہ نے اسے جتنا دیا ہے اس میں سے خرچ کرے، اللہ کسی انسانی جان کو اتنا ہی پابند کرتا ہے جتنا اس نے اسے دے رکھا ہے، تنگی کے بعد اللہ تعالیٰ ضرور فراخی بھی دے گا)۔

تیسری چیز بے صبری ہے۔ موجودہ تیز رفتار زندگی میں یہ مرض ایک وبا کی شکل اختیار کرگیا ہے، بلکہ اسے انسانی کمال سمجھا جاتا ہے، اسی بے صبری نے پتہ نہیں کتنے ہنستے بستے گلشن اجاڑ دیے ہیں، ذرا طبع نازک پر کوئی چیز ناگوار گذری کھٹ سے طلاق دے دی یا بیوی ذرا کم صورت ملی، بس دنیا تاریک ہوگئی۔ اب شب وروز اس کے لئے پریشانیاں کھڑی کی جارہی ہیں، معاملہ فہمی اور اچھے دنوں کے انتظار کی صفت ہی عنقا ہوتی جارہی ہے، معاشرتی زندگی کی طرح خانگی زندگی میں بھی صبر کا کوئی بدل نہیں، بلکہ یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ صبر ہی درحقیقت شکر کی بنیاد ہے۔ فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْراً، إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْراً (سورۃ الشرح ۵-۶) (تو بلاشبہ تنگی کے ساتھ آسانی لگی ہوئی ہے، واقعی تنگی کے ساتھ آسانی جڑی ہوئی ہے) يا وَعَسَى أَن تَكْرَهُوا شَيْئاً وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ (البقرۃ ۲۱۶) (ہوسکتا ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو اور وہ تمہارے حق میں بہتر ہو) اسی طرح فَإِن كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَى أَن تَكْرَهُوا شَيْئاً وَيَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْراً كَثِيرا (النساء ۱۹) (اگر تم ان کو ناپسند کرو تو ہوسکتا ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو اور اللہ نے اسی میں بہت کچھ خیر رکھ دیا ہو) اس طرح کی آیات میں درحقیقت صبر کو بنیاد بنا کر اس پر شکر کی عمارت قائم کی گئی ہے، امتحان اور انعام لازم وملزوم ہیں، امتحان پہلے ہوتا ہے، انعام بعد میں دیا جاتا ہے۔ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: "وما اعطی أحد عطاء اً خیراً وأوسع من الصبر" (کسی کو صبر سے بڑھ کر بہتر اور وسیع تر تحفہ نہیں دیا گیا)۔

## بقیہ: - سیرت نبوی

.....جو منزل تک پہنچنے اور حقیقت حاصل کرنے کے لیے اللہ کے آخری رسول ﷺ نے آخری وحی کے فہم کے لیے طے فرمادی اور امت کے لیے وہی راستہ طے کردیا، امت کی ذمہ داری ہے کہ وہ حقیقت دین تک رسائی کا وہی راستہ اختیار کرے اور اسی راستہ پر چلتی رہے، جو راستہ حضرت رسالت مآب ﷺ نے طے فرمایا اس پر چل کر دکھایا، صحابہ نے اس کو اختیار کیا اور دنیا کو اس پر چلایا، اور پھر تابعین، تبع تابعین اور مجددین ومصلحین وعلماء وائمہ کا وہی راستہ رہا اور قیامت تک یہی راستہ انسانیت کی نجات کے لیے اور دنیا کو صحیح رخ دینے کے لیے کھلا ہوا ہے، چراغ نبوت سے جو چراغ جلے ان چراغوں سے چراغاں ہوا، ورقیامت تک ان ہی چراغوں میں وہ روشنی ہے جو راستہ بتاتی رہے گی، اور امت اسی پر چلتی رہی ہے، اسی راستہ کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا تھا یہ وہ راستہ ہے جس پر میں ہوں اور میرے صحابہ ہیں، یہی نجات کا راستہ ہے، اس راستہ سے ہٹ کر اگر کوئی اپنا راستہ بنائے گا وہ خود بھی ہلاکت کے غار میں گرے گا اور جو بھی اس کی بات مانے گا وہ بھی تباہ ہوگا۔

# اذان کی شرعی حیثیت

## کلمات کے معانی اور فضائل

مفتی راشد حسین ندوی

### اذان کے معنی

اذان کے لفظی معنی ''اعلام'' یعنی اطلاع دینے اور خبر کرنے کے ہیں، اور شریعت میں خاص الفاظ کے ذریعہ خاص انداز میں نماز کی اطلاع دینے کو کہتے ہیں۔

اذان کو بعض فقہاء نے پنج وقتہ فرائض اور جمعہ کے لیے واجب قرار دیا ہے، اکثر نے اس کے بارے میں یہ فرمایا کہ اذان سنت مؤکدہ اور واجب کے قریب قریب ہے، یہاں تک کہ امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی شہر کے باشندے اذان ترک کرنے پر متفق ہو کر اذان ترک کردیں تو امام کو ان سے جنگ کرنی چاہیے، اس لیے کہ اذان اسلام کا شعار ہے۔ (شامی: ۱/۲۸۳)

### اذان کی مشروعیت

اذان کی ابتداء ۱ھ سے ہوئی، اس سے پہلے بخاری و مسلم اور دوسری کتب احادیث میں مندرج احادیث کے مطابق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم وقت کا اندازہ لگا کر مسجد میں اکٹھا ہو جاتے تھے، جب آنحضرت ﷺ کو اندازہ ہو جاتا تھا کہ سب لوگ آگئے ہیں تو آپ نماز شروع فرمادیتے تھے، لیکن ظاہر بات ہے اس میں ان کو دشواری کا سامنا کرنا پڑتا تھا، چنانچہ ایک دن آنحضرت ﷺ کی موجودگی میں ان کے درمیان اس مسئلہ پر بات چیت ہوئی، اور اس دشواری کا حل تلاش کرنے پر غور ہوا، بعض صحابہ کرام نے فرمایا: نصاریٰ کی طرح ناقوس اختیار کرلیا جائے، یعنی چھوٹی لکڑی سے بڑی لکڑی پر چوٹ لگائی جائے، تاکہ اس کی آواز سن کر سب اکٹھا ہو جائیں، لیکن اس میں نصاریٰ کا تشبہ تھا، اس لیے اس کو پسند نہیں کیا گیا، بعض نے کہا کہ اس وقت آگ جلادی جائے سب لوگ اس سے سمجھ جائیں گے کہ نماز کا وقت ہو گیا ہے، لیکن اس میں مجوسیوں سے تشبہ کا شائبہ تھا، بعض نے مشورہ دیا کہ نماز کے وقت جھنڈا گاڑ دیا جائے، سب اس کو دیکھ کر مسجد آجایا کریں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا کہ ایسا کیوں نہ کرلیا جائے کہ نماز کے وقت ایک شخص بازار اور آبادی میں چلا جائے اور نماز کی نداء لگائے، آنحضرت ﷺ کو یہ مشورہ پسند آیا اور آپ نے حضرت بلال کو اس کی ذمہ داری سونپتے ہوئے فرمایا: بلال! جاؤ، اور نماز کا اعلان کر آؤ۔ (بخاری و مسلم، احمد وغیرہ)

روایات کے مطابق یہ اعلان صرف ان الفاظ پر مشتمل ہوتا تھا ''الصلاۃ جامعۃ'' (نماز جمع کر رہی ہے یعنی نماز کا وقت ہو رہا ہے)

پھر ابوداؤد و ترمذی اور ابن ماجہ وغیرہ کی روایت کے مطابق ایک صحابی حضرت عبداللہ بن زیدؓ نے خواب دیکھا کہ ایک شخص اپنے ہاتھ میں ناقوس اٹھائے ہوئے ہے، تو اس سے پوچھا: بندۂ خدا! ناقوس بیچو گے؟ اس نے کہا: اس کا کیا کرو گے؟ فرمایا: اس سے نماز کے لیے بلائیں گے، اس شخص نے کہا: اس سے بھی بہتر چیز نہ بتادوں؟ عرض کیا ضرور بتائیں، اس شخص نے جواب میں اذان کے وہ تمام کلمات بتادیئے جو اذان میں کہے جاتے ہیں، پھر اقامت کے کلمات بھی بتائے، حضرت عبداللہ فرماتے ہیں: صبح میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور آپ سے اپنا خواب بیان کیا تو آپ نے فرمایا: انشاء اللہ یہ سچا خواب ہے، تم بلال کے ساتھ کھڑے ہو جاؤ، اور ان کو وہ کلمات سکھادو جو تم نے خواب میں دیکھے ہیں، بلال اسی طرح اذان دیں، اس لیے کہ بلال تم سے زیادہ بلند یا اچھی آواز والے ہیں، فرماتے ہیں: چنانچہ میں حضرت بلال کے ساتھ کھڑا ہو گیا اور ان کو سکھلانے لگا اور وہ اسی کے مطابق اذان دینے لگے، حضرت عمر نے اپنے گھر سے اذان سنی تو وہ اپنی چادر گھسیٹتے ہوئے (یعنی تیزی سے) نکلے اور فرمایا: اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے، انہیں کی طرح میں نے بھی

خواب دیکھا تھا، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "فللّٰہ الحمد" (تب تو اللہ کا مزید شکر واحسان ہے)۔

## اذان کے کلمات کا مفہوم

اذان میں کہے جانے والے الفاظ کئی اہم اسلامی عقائد پر مشتمل ہیں، "اللّٰہ اکبر اللّٰہ اکبر" دوسانس میں چار بار کہا جاتا ہے، جس میں اللہ کی کبریائی کا اظہار کر کے اس کے وجود اور کمال کا اقرار کیا جاتا ہے، پھر "أشهد أن لا اله الا اللّٰه" دوبار دوسانسوں میں کہہ کر توحید کا اثبات کر کے شرک کی نفی کی جاتی ہے، پھر "أشهد أن محمدا رسول اللّٰه" دوبار دوسانسوں میں کہہ کر آنحضرت ﷺ کی رسالت کا اقرار کیا جاتا ہے، پھر دوبار دوسانسوں میں "حي على الصلاة" کہہ کر سب سے اہم عبادت نماز کے لیے بلایا جاتا ہے، پھر دوبار دوسانسوں میں "حي على الفلاح" کہہ کر فلاح کی طرف بلایا جاتا ہے، فلاح کے معنی دائمی بقاء اور کامیابی کے ہیں، اس میں آخرت کے اسلامی عقیدہ کی طرف بھی اشارہ ہے، پھر ایک سانس میں دوبار "اللّٰہ اکبر" کہہ کر اللہ کی کبریائی کے اقرار کو اہمیت کے پیش نظر دہرایا جاتا ہے، پھر اخیر میں "لا الـــه الا اللّٰه" ایک بار کہہ کر دوبارہ توحید کا اثبات اور شرک کی نفی کر دی جاتی ہے۔

## اذان دینے کے فضائل

اذان اور مؤذن کے فضائل سے متعلق بے شمار احادیث وارد ہوئی ہیں، اختصار کے پیش نظر صرف چند احادیث ذیل میں درج کی جاتی ہیں:

(۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اگر لوگ اذان اور پہلی صف کے اجر وثواب سے واقف ہو جائیں پھر قرعہ اندازی کے بغیر اس کا موقع نہ پائیں، تو وہ ضرور بالضرور اس کے لیے قرعہ اندازی کریں۔ (بخاری)

(۲) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن مؤذن لوگوں میں سب سے لمبی گردن والے ہوں گے۔ (مسلم، ابن ماجہ، مسند احمد)

(۳) حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے پہلی صف پر رحمت نازل فرماتے ہیں، اور مؤذن کی آواز جہاں تک پہنچتی ہے اس کے بقدر اس کی مغفرت کر دی جاتی ہے، اور اس کو سننے والی ہر خشک اور تر چیز اس کی تصدیق کرتی ہے، اور اس کے ساتھ جتنے لوگ نماز پڑھتے ہیں ان کے مثل اس کو ثواب ملتا ہے۔ (نسائی، مسند احمد)

## مؤذن کیسا ہونا چاہیے

بہتر یہ ہے کہ مؤذن کسی نیک، صالح، دیندار شخص کو مقرر کیا جائے، جو نماز کے اوقات کا علم رکھتا ہو، متقی اور پرہیزگار ہو، لوگ اس کا احترام کرتے ہوں اور زیادہ بہتر یہ ہے کہ ایسے شخص کو مؤذن بنایا جائے جو بلا تنخواہ صرف ثواب کی امید میں اذان دیتا ہو۔ (ہندیہ: ۵۳/۱)

اس لیے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: امام ضامن ہوتا ہے اور مؤذن امین ہوتا ہے، یا اللہ! ائمہ کو راہ ہدایت کی رہنمائی فرما دیجئے اور مؤذنوں کی مغفرت فرما دیجئے، (بیہقی)

ایک دوسری حدیث میں آپ نے فرمایا: مؤذن ایسے شخص کو بنانا جو اذان کی اجرت نہ لیتا ہو، نیز فرمایا: مؤذن ایسا بناؤ جو تم میں سب سے افضل ہو۔ (بیہقی)

یہ بھی افضل ہے کہ مؤذن کی آواز بلند اور خوبصورت ہو، اس لیے کہ پیچھے حدیث گزر چکی ہے کہ جب حضرت عبداللہ بن زیدؓ نے خواب دیکھا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا: یہ کلمات بلال کو سکھا دو، اور اس کی وجہ یہ بیان فرمائی "فانه أندى صوتا منك" اس کا ایک ترجمہ یہ ہو سکتا ہے کہ ان کی آواز تمہاری آواز سے بلند ہے، دوسرا ترجمہ یہ ہو سکتا ہے کہ ان کی آواز تمہاری آواز سے زیادہ دلکش ہے، لہٰذا دونوں امور کا خیال رکھنا چاہیے۔

اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ آج کل جس طرح کے مؤذن مقرر کیے جاتے ہیں یہ صحیح نہیں ہے، یہ بہت بڑا منصب ہے، اور بڑے شرف کی چیز ہے، لہٰذا ایسے لوگوں کو مؤذن بنانا جن کی وقعت قلوب میں نہ ہو یا جن سے صفائی ستھرائی کا کام لیا جاتا ہو، جو بعض اوقات اذان کے کلمات میں فاش غلطیاں کر دیتے ہوں، کسی بھی صورت سے صحیح نہیں ہے، خاص طور سے اس کا بہت خیال رکھا

جائے کہ اذان میں غلطی نہ ہو، اگر ایسا ہے تو پوری کوشش کر کے اس غلطی کی اصلاح کرائی جائے، اور جب تک غلطی ختم نہ ہو جائے دوسرے سے اذان دلوائی جائے۔

## اذان کا جواب دینا

جب مؤذن اذان دے رہا ہو تو سامعین کے لیے اس کا جواب دینا بڑے اجر وثواب کا باعث ہے، فقہی طور پر بعض نے جواب دینے کو واجب قرار دیا ہے، لیکن صحیح قول کے مطابق واجب یہ ہے کہ مؤذن جس عبادت کے لیے ندا لگا رہا ہے، عملی طور پر اس کا اقدام کرے اور مسجد جائے، جہاں تک زبان سے جواب دینے کا تعلق ہے تو یہ مستحب ہے۔ (شامی: ۲۹۱/۱-۲۹۲)

احادیث میں اذان کا جواب دینے کی بڑی تاکیدیں بھی آئی ہیں، اور اس کے اجر وثواب کا بھی ذکر کیا گیا ہے، چنانچہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب تم لوگ اذان سنو تو مؤذن جو کچھ کہہ رہا ہے اسی کے مثل تم بھی کہو۔ (بخاری ومسلم)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ "حی علی الصلاۃ" اور "حی علی الفلاح" کے جواب میں بھی یہی کلمات کہے جائیں گے، لیکن بعض احادیث میں صراحت سے ذکر کیا گیا ہے کہ ان دونوں کلمات کے جواب میں "لا حول ولا قوۃ الا باللہ" کہا جائے، چنانچہ حضرت عمرؓ کی روایت میں آیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب مؤذن "اللہ اکبر اللہ اکبر" کہے اور تم میں سے کوئی جواب میں "اللہ اکبر اللہ اکبر" کہے، پھر جب وہ "أشهد أن لا اله الا اللہ" کہے تو وہ بھی "أشهد أن لا اله الا اللہ" کہے، پھر جب وہ "أشهد أن محمدا رسول اللہ" کہے تو وہ بھی "أشهد أن محمدا رسول اللہ" کہے، پھر جب وہ "حی علی الصلاۃ" کہے تو وہ "لا حول ولا قوۃ الا باللہ" کہے، پھر جب وہ "حی علی الفلاح" کہے تو وہ "لا حول ولا قوۃ الا باللہ" کہے، پھر جب وہ "اللہ اکبر اللہ اکبر" کہے تو وہ بھی "اللہ اکبر اللہ اکبر" کہے، پھر جب وہ "لا اله الا اللہ" کہے تو وہ بھی "لا اله الا اللہ" کہے (اور یہ تمام کلمات) وہ اپنے دل سے کہے تو جنت میں داخل ہو جائے گا۔ (مسلم، ابوداؤد)

پھر "حی علی الصلاۃ" اور "حی علی الفلاح" کے ذریعہ مؤذن لوگوں کو مسجد میں آنے کی دعوت دیتا ہے، اس کے جواب میں خود سامع کا ان کلمات کے بجائے یہ کہنا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کسی بھی چیز پر قدرت اور طاقت اللہ تعالیٰ کی توفیق کے بغیر نہیں ہو سکتی، پھر بھی علماء نے لکھا ہے کہ زیادہ بہتر یہ ہے کہ پہلے "حی علی الصلاۃ" اور "حی علی الفلاح" کہہ کر جواب دے پھر "لا حول ولا قوۃ الا باللہ" کہے، تاکہ دونوں احادیث پر عمل ہو جائے۔ (شامی: ۲۹۳/۱)

اسی طرح فجر کی اذان کا جواب دیتے وقت "الصلاۃ خیر من النوم" کے جواب میں "صدقت و برررت" کہنے کی بات فقہاء نے لکھی ہے۔ (شامی: ۲۹۳/۱)

جب اذان کا جواب دے چکے تو مستحب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ پر صلاۃ وسلام کا نذرانہ پیش کرے پھر حدیث میں ذکر کردہ دعا پڑھے۔ (شامی: ۲۹۳/۱)

اس لیے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو سے مروی ہے کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ "جب تم مؤذن کو اذان دیتے ہوئے سنو تو جو وہ کہہ رہا ہے وہی کلمات کہو، پھر مجھ پر درود بھیجو، اس لیے کہ جو مجھ پر ایک بار درود بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرماتا ہے، پھر میرے لیے وسیلہ کی دعا مانگو، اس لیے کہ وسیلہ جنت کے ایک مقام کا نام ہے، وہ اللہ کے صرف ایک بندہ کے شایان شان ہے، تو جو میرے لیے وسیلہ کی دعا مانگے گا، اس کے لیے میری شفاعت کا استحقاق ہو جائے گا۔ (مسلم)

بخاری میں حضرت جابر کی روایت میں دعا، وسیلہ کے یہ الفاظ آتے ہیں: "اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ، وَالصَّلَاةِ الْقَائِمَةِ آتِ مُحَمَّداً الْوَسِيْلَةَ وَالْفَضِيْلَةَ وَابْعَثْهُ مَقَاماً مَحْمُوْداً الَّذِيْ وَعَدْتَّهٗ" بیہقی کی روایت میں اخیر میں "اَنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ" کا اضافہ بھی ذکر کیا گیا ہے، جہاں تک "اَلْفَضِيْلَةَ" کے بعد "اَلدَّرَجَةَ الرَّفِيْعَةَ" کے اضافہ کا تعلق ہے تو بقول حافظ ابن حجرؒ وہ ثابت نہیں ہے۔ واللہ أعلم.

# اشیاء میں ملاوٹ

محمد فاروق الیاس

ملاوٹ کا مفہوم تو بڑا وسیع ہے لیکن عام طور پر کسی گراں قیمت کی چیز میں کسی سستی چیز کے ملانے کو ملاوٹ کہتے ہیں، مثلاً: خالص دودھ میں پانی ملانا، خالص دیسی گھی میں چربی وغیرہ ملانا، ملاوٹ کی ایک اور قسم یہ ہے کہ کسی جنس کی اچھی قسم میں اسی جنس کی ناقص، گھٹیا یا عیب دار قسم ملانا، ملاوٹ کی کوئی بھی قسم ہو اس کا مقصد ناجائز منافع کمانا ہوتا ہے، اس ناجائز منافع کی مقدار اکثر اوقات اتنی بڑھ جاتی ہے کہ ملاوٹ کرنے والا لالچ میں اندھا ہو جاتا ہے اور دولت کمانے کی انتہاء بڑھی ہوئی ہوس اسے مجبور کرتی ہے کہ ہر خطرے کو مول لے کر یا انتظامیہ کے بددیانت کارندوں کو رشوت دے کر ملاوٹ کا کاروبار جاری رکھے، ملاوٹ خواہ کھانے پینے کی چیزوں میں کی جائے یا دوسری اشیاء میں تجارتی منڈیوں، مارکیٹوں میں کھلم کھلا فروخت ہو رہی ہیں، یہ دیکھ کر اور بھی دکھ ہوتا ہے کہ ملاوٹ کا کاروبار کرنے والوں میں ایسے لوگ بھی شامل ہیں جن کا دعویٰ ہے کہ وہ اللہ و رسول اللہ ﷺ سے محبت رکھتے ہیں اور ارکان اسلام کی سختی سے پابندی کرتے ہیں لیکن یہ گھناؤنا کاروبار کرتے ہوئے ان کے ضمیر میں ذرا سی چبھن بھی محسوس نہیں ہوتی، حالانکہ ملاوٹ کا کاروبار کئی برائیوں کا مجموعہ ہے۔ مثلاً: (۱) دوسروں کو فریب دینا یا دھوکے بازی (۲) بددیانتی (۳) جھوٹ (۴) حرام خوری (۵) دوسروں کی صحت برباد کرنا۔

مذہب اسلام میں ان میں سے کسی بھی برائی کا ارتکاب سخت گناہ ہے، ملاوٹ کرنے والا ان سب برائیوں کا مرتکب ہوتا ہے، اس سے اس کے گناہ کی سنگینی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، پیارے رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے "من غشنا فلیس منا" یعنی جس نے ہم سے دھوکہ کیا وہ ہم (مسلمانوں) میں سے نہیں۔ (صحیح مسلم)

اس حدیث میں مسلمانوں کو تاکید کی گئی ہے کہ معاملات (لین دین) اور خرید و فروخت میں امانت و دیانت کو اپناؤ اور کسی سے دھوکہ و فریب کا معاملہ مت کرو، حدیث میں آتا ہے ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ گندم کے ایک دکاندار کے پاس سے گزرے وہاں گندم کی ایک ڈھیری لگی ہوئی تھی آپ نے اس کے اندر اپنا ہاتھ داخل کیا تو آپ کی انگلیوں کو تری پہنچی، آپ نے دکاندار سے پوچھا یہ کیا ہے؟ اس نے جواب دیا: بارش کی وجہ سے گیلی ہوگئی ہے، آپ نے فرمایا: تم نے گیلا حصہ اوپر کیوں نہیں رکھا تاکہ لوگ اسے دیکھ لیتے جس نے دھوکہ دیا اس کا کوئی تعلق مجھ سے نہیں۔ (مسلم)

دھوکہ دہی کی کئی صورتیں ہیں، جیسے (۱) ناپ تول میں ایسے انداز سے کمی کرنا کہ دیکھنے والے کو پتہ نہ چلے (۲) جھوٹی قسم کھا کر گراہک کو فریب دینا (۳) گراہک کو اصل قیمت سے کئی گنا زیادہ قیمت بتلا کر اس سے قیمت لگوانا (۴) کھانے پینے کی چیزوں میں ملاوٹ کرنا (مشہور مارکیٹ اور برانڈ سے ملتی جلتی چیزیں بنانا یا بیچنا۔

تجارت اور کاروبار میں ملاوٹ یا دھوکہ و فریب کی جتنی بھی صورتیں ہیں وہ سب ممنوع ہیں ایک مسلمان کی تجارت صاف ستھری اور امانت و دیانت پر مبنی ہونی چاہیے، جس میں نہ جھوٹ کی آمیزش ہو نہ دھوکہ و فریب کی۔

یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ کسی چیز میں ملاوٹ کرنے سے وہ چیز عیب دار ہو جاتی ہے اور کوئی عیب دار چیز فروخت کرنا جائز نہیں، جب تک خریدنے والے کو اس کا عیب بتلا نہ دیا جائے، اسی طرح ملاوٹ کے ذریعہ مال کمانا ناجائز ہے، اور ناجائز ذریعے سے کمایا ہوا مال مطلق حرام ہے، اور حرام مال کی نحوست واضح ہے۔

معلوم ہوا کہ ملاوٹ ایک بدترین گناہ ہے ہر ایک کو اس سے بچنے کی بھرپور کوشش کرنی چاہیے، یہ حقیقت ہے کہ ملاوٹ کا ارتکاب ملکی قوانین میں بھی جرم ہے لیکن اس کا مرتکب کوئی مجرم بہت کم ہی قانون کی گرفت میں آتا ہے اس کا سبب یہ ہے کہ حکومت کی طرف سے جو لوگ ایسے جرائم کی روک تھام کے لیے مقرر کئے جاتے ہیں وہ اپنے فرائض دیانت داری کے ساتھ انجام نہیں دیتے، اور بددیانت تاجروں کے ساتھ مل جاتے ہیں، ایسے جرائم کا انسداد صرف اسی صورت میں ہوسکتا ہے کہ قوانین کا پوری قوت سے نفاذ کیا جائے اور ملاوٹ کا کاروبار کرنے والوں کے ساتھ قانونی کارروائی کی جائے تاکہ ہمارا معاشرہ درست ہوسکے، اللہ دھوکہ دھڑی سے ہر ایک کو بچائے اور باہم خیر خواہی کا جذبہ پیدا کرے۔ آمین۔

# جنتی تاجر

محمد ارمغان بدایونی ندوی

عَنْ أَبِیْ سَعِیْدٍ (رضی اللہ عنہ) عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ: التَّاجِرُ الصَّدُوْقُ الْأَمِیْنُ مَعَ النَّبِیِّیْنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَ الشُّھَدَاءِ. (سنن الترمذی: ۱۲۵۲)

**ترجمہ:-** حضرت ابوسعید (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: سچا، امانت دار تاجر انبیاء وصدیقین اور شہداء کے ساتھ ہوگا۔

**فائدہ:-** دین اسلام میں جہاں فکر معاد کی طرف کثرت سے توجہ دی گئی ہے، وہیں دنیوی زندگی گزارنے کے لیے وسائل کے اختیار کرنے کا بھی حکم دیا گیا ہے، نماز سے فارغ ہونے کے بعد صریح حکم قرآنی ہے ﴿فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِن فَضْلِ اللَّهِ﴾ (پھر جب نماز پوری ہوجائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو) اسی طرح دوسری جگہ انسان کا دنیا میں جو طے شدہ حصہ ہے اس کے متعلق حکم دیتے ہوئے فرمایا ﴿وَلَا تَنسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا﴾ (اور دنیا میں سے اپنا حصہ نہ بھولو) اسی لیے انبیاء علیہم السلام کے بارے میں آتا ہے کہ انہوں نے بھی فکر آخرت اور دعوت الی اللہ کے ساتھ بقدر ضرورت کسب معاش کے مختلف طریقوں کو اختیار کیا۔

یہ دین اسلام ہی کا اعجاز ہے کہ اس نے اپنے متبعین کو کسی بھی میدان میں تنہا نہیں چھوڑا، بلکہ ہر پیش آنے والی ضرورت کے متعلق مکمل رہنمائی فرمائی، چونکہ انسانی زندگی کے اندر حصول رزق کے وسائل کی بھی اہمیت ہے، اسی لیے تجارت کو انبیاء کی سنت اور مستحسن عمل قرار دیا گیا، نیز احادیث مبارکہ میں متدین وامانت دار تاجر کے متعلق کثرت سے بشارتیں بھی سنائی گئیں، جن سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اگر کوئی انسان اس کام کو حسن نیت، اتباع سنت کے جذبہ، امانت ودیانت داری کے ساتھ انجام دے تو بلاشبہ اس کا حشر انبیاء، صدیقین اور شہداء کے ساتھ ہوگا۔

تجارت کے اندر چند بنیادی امور کو ہمیشہ پیش نظر رکھنا چاہیے، جن کے متعلق احادیث میں بھی جا بجا توجہ مبذول کرائی گئی ہے، مثلاً: اللہ ہی کو رزاق حقیقی ماننا، نیت کو خالص رکھنا، سچ بولنا، صدقہ کا اہتمام کرنا، فضول باتوں سے دوور رہنا، گراہک سے محبت کا برتاؤ کرنا، سامان میں جو نقص ہو اس کو ظاہر کردینا، ناجائز اشیاء کے فروخت سے دور رہنا، جھکتا ہوا تولنا، ترازو درست رکھنا، ناپ تول میں کمی نہ کرنا، بلاضرورت بات بات پر قسم نہ کھانا، اشیاء کو ملاوٹ کے ساتھ فروخت نہ کرنا، کم قیمت کی چیز کو زیادہ قیمت میں نہ بیچنا، اللہ کی یاد سے غافل نہ ہونا۔

تجارت سے متعلق شریعت اسلامیہ کی ان روشن ہدایات سے یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ تاجر انسان اپنی تجارت سے محض دنیوی فائدہ ہی حاصل نہیں کرے گا، بلکہ ان باتوں پر عمل کرنے سے اپنی آخرت کو بھی سنوار لے گا، لیکن افسوس ہے ان مسلمان تاجرین پر جو ایسا صاف ستھرا اسلام کا معاشی نظام ہونے کے باوجود دنیا کے مصنوعی معاشی نظام سے مرعوب اور اسی پر عمل پیرا ہیں، اشیاء میں ملاوٹ کیے بغیر اپنا سامان بیچنا باعث برکت نہیں سمجھتے، سودی نظام کو شامل کئے بغیر اپنا کاروبار کامیاب نہیں سمجھتے، خرید وفروخت میں قسم پر قسم کھانا اچھا عمل خیال کرتے ہیں۔

تجارت چونکہ خدمت خلق کا بھی بہت بڑا ذریعہ ہے، اسی لیے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اچھے اخلاق والے تاجر سے متعلق خوب بشارتیں سنائی ہیں، فرمایا: ''اللہ تعالیٰ اس شخص کے ساتھ رحمت کا معاملہ فرمائے جو خرید وفروخت میں نرمی سے پیش آتا ہو''، اسی طرح عموماً بیچا ہوا سامان دوکاندار کو واپس رکھنا گراں گزرتا ہے، اس لیے فرمایا: ''جو سامان کو واپس رکھ لے گا اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو روز قیامت میں معاف فرمائے گا''، لیکن اگر کوئی انسان تجارت کو صرف لوٹ کھسوٹ، پیسہ کمانے کا ذریعہ سمجھتا ہو تو ایسے تاجر کے متعلق زبان نبوت سے بہت سخت الفاظ بھی نکلے ہیں، فرمایا: ''تجار کو قیامت کے دن گناہگار اٹھایا جائے گا، سوائے اس کے جس نے تجارت میں سچائی، تقوی کا خیال رکھا ہو''، معلوم ہوا اگر انسان اس عمل کو سنت طریقہ پر انجام دے تو وہ روز قیامت میں انبیاء، صدیقین وشہداء کے ساتھ جنتی تاجر کہلانے کا مستحق ہوگا، لیکن اگر معاملہ اس کے برعکس ہے تو فیصلہ خود اس کے سامنے ہے۔

# امانت کا بلند تصور

امین حسنی ندوی

جب کسی کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ وہ امانت دار ہے تو دل فوراً یہ فیصلہ کرلیتا ہے کہ اگر کبھی ضرورت پڑی بطور امانت کچھ رکھانے کی تو زحمت انہیں بزرگوار کو دی جائے گی، گویا امانت داری کا مطلب ہے رکھائی گئی رقومات کو بحفاظت لوٹا دینا، امانت داری کا اگر یہ مفہوم مراد لیا جائے تو امانت داری کی چوٹی پر یہودیوں کا وہ ٹولہ نظر آتا ہے جس کے بارے میں قرآن کریم یہ کہتا ہے: ﴿وَمِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مَنْ إِن تَأْمَنْهُ بِقِنطَارٍ يُؤَدِّهِ إِلَيْكَ﴾ (آل عمران: ۷۵) ترجمہ: بہت سے ایسے اہل کتاب (یہودی اور عیسائی) ہیں کہ اگر آپ ڈھیر سا مال بھی ان کے پاس بطورِ امانت رکھ دیں، تو وہ آپ کو واپس کریں گے۔

تو کیا اس بنیاد پر یہودیوں کے اس گروہ کو امانت داری کو لقب دیا جاسکتا ہے؟ جی نہیں! امانت داری صرف مال ومتاع کو محفوظ رکھنے اور واپسی کے مطالبہ پر بحفاظت لوٹا دینے کا نام نہیں، امانت داری کا تعلق زندگی کے صرف کسی ایک شعبہ سے نہیں، بلکہ امانت داری کا تعلق زندگی کے تمام شعبوں اور حیات کے تمام پہلوؤں سے ہے، امانت داری کا تعلق عبادت سے بھی ہے، اخلاقیات سے بھی، معاشیات سے بھی، سیاسیات سے بھی، معاملات سے بھی ہے، سماجیات سے بھی، امانت داری اپنے اس وسیع ترین مفہوم کے ساتھ اگر ہمیں کہیں نظر آتی ہے تو وہ صرف انبیاء کرام کی زندگی میں نظر آتی ہے اور خاص طور پر سچائی وامانت داری کا جو سب سے اعلیٰ نمونہ ہمیں ملتا ہے وہ سرکار دوعالم محمد ﷺ کی حیات طیبہ میں ملتا ہے۔

سورہ بنی اسرائیل کی آیت: ﴿ان السمع والبصر والفؤاد كل أولئك كان عنه مسئولا﴾ ہمیں یہ بتاتی ہے کہ ہمارے کان، ہماری آنکھیں، ہمارے دل یہ سب عطیہ خداوندی ہیں اور ایک متعین مدت کے لئے ایک مخصوص طریقہ کے مطابق استعمال کی ہمیں اجازت ہے، مدت پوری ہونے پر یہ امانتیں واپس لے لی جائیں گی اور پھر ان کے بارے میں ہم سے سوال کیا جائے گا، کان کے بارے میں پوچھا جائے گا کیا کیا سنا؟ آنکھ کے بارے میں سوال ہوگا کیا کیا دیکھا؟ دل کے بارے میں جواب طلبی ہوگی کیا کیا سوچا، خدا کی عطا کردی ان نعمتوں کا صحیح استعمال کرکے امانت داری کا ثبوت دیا یا ان کا غلط استعمال کرکے خیانت کا ارتکاب کیا۔

آیت: ﴿ان اللّٰه اشترىٰ من المؤمنين أنفسهم وأموالهم بأن لهم الجنة﴾ یعنی اللہ رب العزت نے مومنوں سے ان کی جانوں اور مالوں کو جنت کے بدلہ میں خرید لیا ہے۔ کیا اب اس کے بعد بھی کوئی حق بنتا ہے ہمارا اپنی جانوں اور اپنے مال ومتاع پر؟ کیا یہ سانس جو چل رہی ہے، دل کی یہ دھڑکن جو جاری ہے، رگوں کی جو یہ روانی ہے، کیا اس پر ہمارا کوئی اختیار ہے؟ کیا یہ ہماری کسی کوشش کا نتیجہ ہے؟ نہیں یہ سب کرم ہے اوپر والے کا، مہربانی ہے خداوند قدوس کی، رحمت ہے پاک پروردگار کی، تو مرضی کس کی چلے گی، اطاعت کس کی ہوگی، نظر کس کی طرف اٹھے گی، یقیناً مرضی خدا کی، اطاعت خدا کی، اور نظر؟ تو وہ بھی صرف اور صرف خدا کی طرف، اب رہی وہ جنت جس کا وعدہ خداوند قدوس نے فرمایا ہے تو وہ صرف اس کا فضل اور اس کا کرم ہے، اب آپ فیصلہ خود کرلیجئے گا دیانت داری آپ سے کیا کہتی ہے اور امانت داری آپ سے تقاضہ کیا کرتی ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ فرمایا: جب امانتوں کو پامال کیا جائے گا تو قیامت کا انتظار کرو، ابوہریرہ رضی اللہ علیہ عنہ نے پوچھا یا رسول اللہ، امانتوں کی پامالی کیسے ہوگی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب معاملات نااہل لوگوں کے سپرد کئے جانے لگیں تو سمجھ لو قیامت قریب ہے۔

اہل کے ہوتے ہوئے نااہل کو ترجیح دینا، مستحق کے ہوتے ہوئے غیر مستحق کا انتخاب کرنا، باصلاحیت افراد کے ہوتے ہوئے بے صلاحیت کو آگے بڑھاتا، خیال استحقاق اور اہلیت کا نہیں قرابت داری اور حاضر باشی کا کرنا، یہ سب خیانت کی مثالیں ہیں ہم میں سے ہر شخص خود ہی اپنا محاسبہ کرسکتا ہے اور اپنے عمل کو حدیث کی کسوٹی پر رکھ کر اپنی امانت وخیانت کو پرکھ سکتا ہے۔

# سوریہ نمسکار اور مسلمانوں کا موقف

صباح اسماعیل ندوی (کلکتہ)

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نے اپنے اجلاس جے پور میں جہاں دیگر مسائل کے حل کی کوششیں کیں وہیں ''سوریہ نمسکار'' کے خلاف بھی سخت نوٹس لیا اور صاف لفظوں میں یہ اعلان کردیا کہ اس ملک کے قانون نے ہمیں حق دیا ہے کہ ہمیں ایسے کسی کام کے لئے مجبور نہیں کیا جاسکتا جو ہمارے مذہب کے خلاف ہو۔ سوریہ نمسکار خالصتاً ایک مشرکانہ اور غیر مومنانہ عمل ہے، مسلم طلبہ وطالبات کسی بھی حال میں سوریہ نمسکار نہیں کریں گے، اگر مسلم طلبہ وطالبات کو سوریہ نمسکار کے لئے مجبور کیا گیا تو وہ اسکول چھوڑنے اور اس کے خلاف آئینی جنگ لڑنے پر مجبور ہوجائیں گے۔

سوال یہ ہے کہ سوریہ نمسکار کیا ہے، یہ سیدھے لفظوں میں سورج کو سلام کرنے، اس کا احترام کرنے، اس کے آگے اظہار بندگی وعاجزی کرنے اور اس کے آگے دست سوال دراز کرنے کے برابر ہے۔ یہ عمل مسلمانوں کے نزدیک ناقابل قبول ہے کہ وہ اللہ کے سوا کسی کے آگے جھکنے، اس کو پوجنے اور اس سے کچھ طلب کرنے کا تصور بھی نہیں کرسکتے۔

یہ بات بالکل واضح ہے کہ دنیا میں اللہ کے سوا جن لوگوں اور چیزوں کی پوجا وبندگی کی جاتی ہے ان میں سب سے اہم سورج ہے، اس کی وجہ صاف ہے کہ ظاہر پرست لوگوں کے سامنے سب سے بڑا مظہر سورج ہے۔ دنیا کی اکثر مشرک قومیں کسی نہ کسی شکل میں سورج کی پوجا کرتی ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ کے واقعہ میں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ جب وہ خدا کی تلاش میں سرگرداں تھے اور ہر ایک چیز کو بغور دیکھ رہے تھے اس وقت سورج کے بارے میں کہا تھا کہ دکھائی دینے والی چیزوں میں اگر کوئی شئی خدا ہوسکتی ہے تو وہ سورج ہی ہے کیوں کہ دوسری تمام چیزوں کے مقابلے سورج بہت زیادہ بڑا، بہت زیادہ اہم، بہت زیادہ نفع پہنچانے والا، بہت زیادہ جلانے، ستانے اور رلانے والا ہے، اس کے جانے سے رات ہوجاتی ہے اور اس کے آنے سے ہر چیز روشن ہوجاتی ہے۔ یہ اگر نہ ہوتو دنیا کا کاروبار اِدھر اُدھر ہوجائے۔ اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ دوسری قوموں کی طرح ہندو قوم بھی اس کی پوجا کرتی ہے اور اب جب کہ یہ ہندوستان کے دستور میں ترمیم تک کرنے کی پوزیشن کے قریب ہے تو یہ چاہتی ہے کہ تمام ہندوستانیوں کو سورج کی پوجا پر مجبور کرے، یہ ہندو احیاء پرستوں کے طویل گھر واپسی پروگرام کا ایک حصہ ہے اور اس کی ابتدا، سوریہ نمسکار، گیتا پاٹھ اور سرسوتی وندنا جیسے کاموں سے ہوتی ہے۔

جہاں تک بات مسلمانوں کی ہے تو عقیدۂ توحید ان کا وصف خاص اور طرۂ امتیاز ہے۔ شرک کا ہلکا سا تصور بھی ان کے جسم پر جھرجھری طاری کردیتا ہے، ان کو تعلیم دی گئی ہے کہ وہ اپنے آپ کو مشرکانہ عقائد وافعال سے کوسوں دور رکھیں، بالخصوص سورج کے تعلق سے ان کو بہت محتاط رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔ دن بھر میں صرف تین اوقات ایسے ہیں جب نماز کو کسی درجہ میں مکروہ قرار دیا گیا ہے، پہلا طلوع آفتاب کا وقت، دوسرا جب سورج عین سر پر ہو اور تیسرا جب سورج غروب ہورہا ہو، اور اس کی ایک خاص حکمت ومصلحت یہی ہے کہ یہ وہ اوقات ہیں جب سورج کے پجاری سورج کی پوجا کرتے، اس کو نمسکار کرتے اور اس کے آگے ہاتھ جوڑتے ہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی مشرک اس وقت کسی مسلمان کو نماز پڑھتا دیکھ کر یہ خیال کرے کہ مسلمان بھی تو سورج کی پوجا کرتے ہیں، بس ان کا طریقہ عبادت وبندگی ہمارے طریقے سے الگ ہے۔

ذرا سوچئے، اسلام تو اپنے ماننے والوں کو سورج کی بندگی کے شبہ سے بھی دور رکھنا چاہتا ہے اور ہندو طاقتیں چاہتی ہیں کہ مسلمان سوریہ نمسکار میں حصہ لیں۔ بلاشبہ یہ سراسر ناممکن ہے، اسی لئے بورڈ نے واضح لفظوں میں مسلمانوں کا یہ فیصلہ حکومت وقت کے سامنے رکھ دیا ہے کہ ایسا کوئی بھی حکم مسلمان کبھی قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں گے، حکومت اس کا خوب خیال رکھے۔ (باقی صفحہ ۱۷ پر)

# یہودی طریقہ کار

## یہودی پروٹوکول سے ماخوذ

"ہم یہودیوں نے غیر یہودی مذہبی رہنماؤں کا وقار و اعتماد کم کرنے اور ان کے مذہب کو تباہ کرنے کی کوشش کی ہے، کیونکہ ان رہنماؤں کی عزت اور ان کی عوام کی مذاہب سے وابستگی ہماری راہ میں بڑی رکاوٹ بن سکتی ہے، دنیا بھر کے عوام پر ان کا اثر روز بروز کم ہوتا جارہا ہے، آزادی ضمیر کا نعرہ بلند کردیا گیا اور عیسائیت چند سال کے اندر مکمل تباہی سے ہم کنار ہوجائے گی، ہم پادریوں اور پاپائیت کو اتنے تنگ حدود میں مقید کردیں گے کہ یہ مذاہب، ماضی کی بہ نسبت تیزی سے پسپا ہونا شروع ہوجائیں گے، جب پوپ کی عدالت کو ہمیشہ کے لیے ختم کرنے کا وقت آئے گا تو اس وقت ایک غیر مرئی ہاتھ اپنی انگلی سے تمام قوموں کو اس عدالت کی طرف متوجہ کرے گا، اور لوگ اس عدالت پر ٹوٹے پڑیں گے، یہاں تک کہ اس کی قوت کا مکمل خاتمہ ہوجائے گا۔

یہودیوں کا بادشاہ تمام دنیا کا حقیر پوپ ہوگا، اس دوران جب کہ ہم نوجوان نسل کو روایات پر مبنی نئے مذاہب کی دوبارہ تعلیم دے رہے ہیں اور بعد ازاں اپنے مذہب سے بھی روشناس کرائیں گے، ہم کھلم کھلا موجودہ گرجاؤں پر انگشت نمائی نہیں کریں گے، بلکہ ان کے خلاف اس قسم کی تنقید کریں کہ جس سے انتشار و بد اعتمادی کی فضا پیدا ہوگی، اس مقصد کے لیے ہمارا پاس سیاسی معاملات مذاہب اور غیر یہود کی نا اہلیت پر عمومی تنقید جاری رکھے گا، اس لیے انتہائی سخت الفاظ اور اصطلاحات استعمال کی جائیں گی، مقصد یہ کہ ہر ممکن طریقہ سے ان کے وقار و احترام کو ختم کرنا اور خاک میں ملا دینا ہے، اسی منصوبے کو ہمارے باصلاحیت و ذہین افراد پایہ تکمیل پہنچائیں گے۔

ہماری سلطنت (ہندوؤں کے) وشنو دیوتا کی مانند ہوگی جو سینکڑوں ہاتھ رکھتا تھا اور یہ ہاتھ سماجی زندگی کے تمام چشموں پر قابض ہوجائیں گے، بلکہ اس سلطنت کی عظمت و قوت کے سامنے وشنو دیوتا کی الوہیت بھی ہیچ ہوگی، ہم سرکاری مشنری اور کارندوں کی مدد کے بغیر بھی ہر چیز کو دیکھ سکیں گے، جس کے اختیارات کو ہم ہی نے غیر یہودیوں کے خلاف استعمال کرنے کے لیے وسعت دی ہے اور اب وہ اپنی حکومتوں کی راہ میں اس طرح حائل ہوجاتی ہے کہ وہ اصل حقائق تک پہنچنے سے قاصر رہتی ہے، ہمارے پروگرام کے مطابق ہماری رعایا کا ایک تہائی حصہ احساس فرض اور رضا کارانہ خدمت کے جذبہ سے بقیہ دو تہائی حصے کی کڑی نگرانی کرے گا، اس طرح ایک جاسوس یا مخبر ہونا ذلت کی بات نہیں ہوگی، بلکہ قابل فخر خدمت ہوگی۔

ہم اپنے ایجنٹ معاشرے کے اونچے طبقے سے بھی لیں گے اور نچلے طبقے سے بھی ان میں انتظامیہ کے عیش پرست افسر، ایڈیٹر، پبلشرز، کلرک سیلز مین، مزدور، اساتذہ اور کم درجہ کے ملازمین شامل ہوں گے یہ لوگ بااختیار نہیں ہوں گے کہ از خود کوئی کارروائی کریں بلکہ یہ لوگ صرف حالات کا مشاہدہ کریں گے اور بروقت رپورٹ کریں گے، ان کی مہیا کردہ اطلاعات کی چھان بین اور ان پر کارروائی کا انحصار، انتظامی کنٹرول رکھنے والے ایک الگ ذمہ دار گروپ پر ہوگا۔

جب ہمارے لیے خفیہ دماغ کو مضبوط بنانے کے لیے سخت اقدامات کی ضرورت پڑجائے، تو ہم دکھاوے کے فسادات کرائیں گے اور بے چینی پھیلائیں گے، اس موقع پر ہمیں شعلہ بیان مقررین کی ضرورت پڑے گی، ان کی تقاریر و بیانات سے افراتفری کا جو ماحول پیدا ہوگا اس سے ہمیں لوگوں کا خانہ تلاشی کے لیے جواز ہاتھ آجائے گا، اور یہ کام بھی غیر یہودی کارندوں کے ذریعہ انجام دیں گے۔

ہم دنیا کے تمام ممالک میں زیادہ سے زیادہ تعداد میں فری میسن کے ادارے اور ذیلی شاخیں قائم کریں گے، ایسے تمام افراد کو اس میں شامل کرلیا جائے گا جو عوام میں نمایاں حیثیت رکھتے ہوں یا آئندہ اہمیت حاصل کرنے والے ہوں، دنیا بھر کے ان تمام اداروں کو ایک مرکزی انتظامیہ کے تحت لایا جائے گا، جس کا علم

ہمارے سوا کسی کو نہ ہوگا، ان اداروں (فری میسن لاجز) کے ارکان میں قومی اور بین الاقوامی پولیس کے تقریباً تمام ایجنٹ شامل ہوں گے، کیونکہ ان کی خدمات اس لحاظ سے ہمارے لیے بے حد ضروری ہیں کہ حکم عدولی کرنے والے افراد کو راہ راست پر لانے کے لیے یہ پولیس اپنے مخصوص طریقے استعمال کرتی ہے، بلکہ یہ ہماری سرگرمیوں کے لیے پردے کا کام بھی دے سکتی ہے اور انتشار و بد امنی وغیرہ پیدا کرنے کے لیے مواقع بھی تلاش کر لیتی ہے۔

خفیہ تنظیموں میں شامل ہونے کے خواہش مند افراد عموماً چالاکیوں سے روزی کمانے والے لاابالی، بے فکرے قسم کے لوگ ہوتے ہیں، ایسے لوگوں کو اپنے مقصد کے لیے استعمال کرنے میں ہمیں کوئی دشواری پیش نہیں آئے گی، قدرتی بات ہے کہ فری میسن کی سرگرمیوں کی رہنمائی صرف ہمیں ہی کرنی چاہیے، کیونکہ ہمیں علم ہوتا ہے کہ ہم کس طرف رہنمائی کر رہے ہیں، اور ہر طرح کی سرگرمی اور جد و جہد کا آخری مقصد بھی ہم جانتے ہیں، جب کہ غیر یہود کو کسی چیز کا علم نہیں ہوتا، بلکہ انہیں تو کسی عمل کے فوری اثر تک کا بھی علم نہیں ہوتا، ہمارے گزرے ہوئے رہنماؤں نے اس وقت کتنی دور بینی کا مظاہرہ کیا جب انہوں نے ایک سنجیدہ مقصد (ساری دنیا پر یہودی تسلط و اقتدار) حاصل کرنے کے لیے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا، اس بات کی بھی پرواہ نہیں کرنی چاہیے کہ اس کے لیے کتنی جانیں قربان کرنی پڑتی ہیں، گرچہ ہم نے بھی قربانیاں دی ہیں لیکن اس سلسلہ میں غیر یہود مویشیوں (غیر یہود گویا انسان نہیں بلکہ مویشی ہیں) کی جتنی جانیں کام آئی ہیں، ہم نے ان کی تعداد کا احصاء کرنے کی بھی ضرورت نہیں سمجھی، البتہ ہم نے دنیا میں اپنے شہیدوں کو وہ پوزیشن دلا دی ہے جس کا وہ تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔

ہمارے اور غیر یہود کے درمیان قوت فکر و عمل کا یہی فرق ہمارے ''خدا کی محبوب قوم'' (Chosen People) ہونے اور اعلیٰ تر انسانی صلاحیت ہونے کا طرۂ امتیاز ہے جو اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ فطرت نے دنیا کی قیادت اور حکمرانی ہماری قسمت میں لکھ دی ہے۔

## بقیہ: سوریہ نمسکار.....

..... یہاں بہر حال یہ وضاحت ضروری ہے کہ سوریہ نمسکار محض سورج کے آگے ہاتھ جوڑنے کا عمل نہیں بلکہ باقاعدہ متعدد یوگاؤں پر مشتمل ایک ایسا عمل ہے جو ہندو مذہب کی ایک مستقل عبادت ہے۔ اس میں مختلف قسم کے آسن کیے جاتے ہیں، پہلا 'پرنام آسن' ہے جس میں ہاتھ جوڑ کر پرنام کیا جاتا ہے اور یہ عبادت کی شکل ہے۔ دوسرا 'ہاتھ اُتھان آسن' ہے جس میں ورزش کی طرح بدن کو سیدھا رکھ کر دونوں بازو اوپر کی طرف اٹھائے جاتے ہیں۔ یہ سوریہ نمسکار کا دوسرا اور گیارھواں عمل ہے۔ تیسرا 'ہاتھ پد آسن' ہے، اس میں ہاتھ سے پاؤں پکڑے جاتے ہیں، یہ سوریہ نمسکار کا تیسرا اور دسواں عمل ہے۔ چوتھا 'اشوا سنچالن آسن' ہے جو جانگھوں اور پیروں کی مضبوطی کی ورزش ہے، یہ سوریہ نمسکار کا چوتھا اور نواں عمل ہے۔ پانچواں عمل 'ڈنڈ آسن' ہے جس میں لکڑی کی شکل اختیار کی جاتی ہے، اس میں بازو، پیٹ اور ریڑھ کی ہڈی کی ورزش بھی ہے۔ سوریہ نمسکار کا چھٹا عمل 'اشٹنگا نمسکار' ہے جس میں جسم کے آٹھ حصوں کو زمین پر ٹکا کر سلامی دی جاتی ہے۔ ساتواں عمل 'بھجنگ آسن' کہلاتا ہے جس میں سانپ کی شکل بنائی جاتی ہے۔ آٹھواں عمل 'پربت آسن' ہے جس میں سوریہ نمسکار کرنے والا انسان پہاڑ کی شکل اختیار کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ سوریہ نمسکار کا آخری اور بارھواں عمل 'ٹنڈ آسن' کہلاتا ہے، اس میں بھی پہاڑ جیسی شکل بنا کر ورزش کی جاتی ہے۔

مسلمانوں کو کم عقل سمجھنے والے لوگ یہ کہتے پھر رہے ہیں کہ سوریہ نمسکار ایک ورزش ہے جس کے ذریعہ ذہنی سکون ملتا ہے اور جسمانی صحت کے لئے بھی یہ بہت مفید ہے، اس کے کرنے میں آخر حرج کیا ہے، ان لوگوں سے کہا جا سکتا ہے کہ نماز کے اندر بھی یہ خوبیاں پائی جاتی ہیں بلکہ سوریہ نمسکار سے کہیں زیادہ مفید طلبہ و طالبات کے لئے نماز ادا کرنا ہے تو کیا وہ نماز تمام اسکولی طلبہ و طالبات کے لئے لازم کر سکتے ہیں؟ بلاشبہ مسلمانوں کے احتجاج اور اصرار کے بعد یہ کہا گیا ہے کہ مسلمان بچے اور بچیاں اگر چاہیں تو خود کو 'سوریہ نمسکار' سے الگ رکھ سکتے ہیں، مگر کیا اس طرح یہ بچے اسکولوں میں دوسرے بچوں اور اساتذہ سے کٹ کر نہیں رہ جائیں گے اور کیا ان کے ساتھ غیر منصفانہ برتاؤ میں اضافہ نہیں ہو جائے گا؟

# نئی نسل کے ایمان کی حفاظت

مولانا ثناء اللہ قاسمی

اگر ہم اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں کے نصاب و نظام تعلیم کو دیکھیں گے تو پتہ چلے گا کہ موجودہ سیکولر تعلیم کا پورا نظام اور سسٹم مسلمان بچوں کے اندر ایک نئے قسم کا ارتداد پیدا کر رہا ہے، توحید، مذہب، تہذیب، معاشرت ہر چیز کو متزلزل کر رہا ہے، پوری کی پوری نسلیں نامعلوم طور پر ارتداد کا شکار ہو رہی ہیں، خدائی انکار کی مرتکب ہو رہی ہیں، لیکن اس کا احساس نہیں ہو رہا ہے، اس لیے کہ مغرب علم اور عقل کے بل بوتے پر انسان اور کائنات کی ایسی تشریح کرتا ہے کہ مذہب اور خدا کے لیے انسانی ذہن میں کوئی گنجائش نہیں رہ جاتی ہے، سب سے پہلے نظام کی ابتداء مرد اور عورت کا امتیاز ختم کر کے کی جاتی ہے (مخلوط تعلیم کے ذریعہ) پھر اس کے جو نتائج برآمد ہوتے ہیں وہ عیاں اور بیاں ہے، صاف ذہن کا ایک بچہ کلاس میں داخل ہوتا ہے تو ڈارون کی تھیوری اور اس کے اثرات کے حامل اسباق پڑھائے جاتے ہیں کہ انسان کسی خدائی پلان کے مطابق دنیا میں نہیں آیا، جب اس نو وارد کو دنیا کی تاریخ پڑھائی جاتی ہے تو ایک زبردست دھماکہ کو دنیا کے وجود کا سبب بتایا جاتا ہے، دنیا میں کوئی رب اور خدا نہیں ہے، دنیا میکانکل سسٹم کی بناء پر چل رہی ہے، بچہ نے جیسے ہی یہ بات پڑھی خالق السماوات والارض کا انکار ہو گیا، میکڈوگل اور فرائڈ کے نظریات ایک صاف ذہن کی تختی پر اتریں گے تو سچی بات یہ ہے کہ اس وقت انسان اپنے آپ کو ایک جانور بلکہ جانور سے بھی بدتر محسوس کرنے لگے گا، اور وہ سب حرکتیں کرنا اور وہ تمام طریقہ اپنانا اپنے لیے روا سمجھے گا جس سے جانور بھی شرما جائیں۔

اسی طرح سنجیدہ اور بے شعور ذہن جب اخلاقیات میں ہوبس (Hobbs) اور اسپائنو (Spinoza) کے نظریہ کو پڑھے گا تو وہ معاشرت، ادب اور اخلاق کو اپنے لیے زہر ہلاہل سمجھے گا، اپنی زندگی کو اخلاق سے بچائے رکھنے ہی میں عافیت سمجھے گا، جیری بینتھم (Jarry Benthem) اور جون اسٹوارٹ مل (John Stuart Mill) اور اسی طرح معاشیات میں کارل مارکس اور دیگر مفکرین مغرب کے افکار و نظریات پڑھتا ہے تو لبادہ انسانیت اس پر سے اتر جاتا ہے اور پھر وہ اپنے آپ کو دنیا کے ہر میدان اور اسٹیج پر آزاد سمجھا جاتا ہے، یہ باتیں صرف یورپ اور امریکہ کی درس گاہوں، مغرب کی یونیورسٹیوں اور دانش گاہوں کی نہیں بلکہ پوری دنیا کا نظام تعلیم مشرق سے لے کر مغرب تک، شمال سے لے کر جنوب تک ڈارون، فرائڈ، ایڈلر، میکڈوگل، کارل مارکس، ڈرکائم جیسے الحاد پسند والحاد پرست مفکرین کے نظریات و افکار پر قائم ہے، یہی نہیں دنیا کے ہر فن اور ہر موضوع میں ان کے افکار و نظریات کی روح شامل ہے۔

چنانچہ بچے کو اتنے کاری زخم لگانے اور اس کے دل و دماغ میں ہر زاویہ سے الحاد کی روح پھونک دیئے جانے کے بعد جب وہ عملی میدان میں آتا ہے تو وہ شدید تشکیک کا شکار ہوتا ہے بلکہ عملاً کافر ہوتا ہے، خاص خاندانی ماحول و حالات کی وجہ سے ہوسکتا ہے کہ وہ اپنے ملحدانہ خیالات کو دبائے رکھے مگر عملی طور پر اور عقیدۃً بھی اس کی زندگی میں ایمان و یقین کی مخالفت رہتی ہے، ہزار بار درود و سلام ہو نبی اکرم ﷺ پر، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا: "الشیطان یجری من الانسان کمجری الدم" اور یہ ہو رہا ہے، ہندوستان کے تناظر میں دیکھا جائے تو پورے ملک کے طول و عرض میں جتنے اچھے معیاری ہائی اسٹینڈرڈ اسکول ہیں یا تو وہ کرسچین مشنریز کے ہیں یا پھر کٹر فرقہ پرست ہندوؤں کے ہیں الا ماشاء اللہ، اس طرح کے اسکولوں کی دنیا ہی بدلی ہوئی ہوتی ہے، ان کے الگ مذہبی اور کلچرل پروگرام ہوتے ہیں، عیسائی منیجمنٹ کے تحت چلنے والے اسکولوں میں ہر روز اسکول کے تمام طلباء کو چاہے وہ کسی مذہب کے ہوں، عیسائی مذہب کے مطابق اپنے تعلیمی دن کا آغاز کرنا ہوتا ہے، یسوع

مسیح اور مقدس مریم سے دعا مانگ کر ہی پڑھائی کا آغاز ہوتا ہے، اسی طرح ہندو مینجمنٹ کے تحت چلنے والے اسکولوں میں پوجا، یوگا اور دیگر مذہبی رسوم کے ساتھ ہی تمام طلباء کو تعلیمی دن کا آغاز کرنا ہوتا ہے، اس میں مسلم طلباء بھی (چونکہ وہ، نہ ان کے والدین دینی شعور سے آراستہ ہوتے ہیں) بہت ہی جوش و خروش کے ساتھ شریک ہوتے ہیں، اور ہر غیر دینی عمل کو بلا چوں چرا بجالاتے ہیں، یہ حالت کم وبیش ہمارے ان پچانوے فیصد طلباء کی ہے جو عصری تعلیم گاہوں میں زیر تعلیم ہیں۔

یہ لرزا دینے والی حقیقت و حالات کی سنگینی ہمارے سامنے ہے، لہٰذا خیر خواہان ملت کی ذمہ داری دو چند ہو جاتی ہے کہ وہ جلد از جلد اس سنگین صورت حال سے نمٹنے اور اس کا بہترین متبادل پیش کرنے کے لیے کوئی ٹھوس اور مثبت قدم اٹھائیں، اس کی متعدد شکلیں ہو سکتی ہیں:-

(۱) والدین بچپن ہی میں اپنے بچوں کی ایسی دینی و ایمانی تربیت کریں کہ الحاد و تشکیک کا کوئی طوفان انہیں لرزہ بر اندام نہ کر سکے، (۲) مکاتب کے نظام کو کیفیت و کمیت کے لحاظ سے مزید مضبوط و مستحکم کیا جائے، (۳) دینی معلومات و اسلامی تہذیب و ثقافت اور اسلامی تاریخ پر مشتمل ایک جامع و مختصر قلیل مدتی نصاب تیار کیا جائے، (۴) مسلم ہاسٹلز قائم کئے جائیں جہاں ان بچوں کو ٹھہرا کر ان کی دینی و ایمانی تربیت کی جا سکے، (۵) ملک کے طول و عرض میں اہل مدارس اسکول کے طلبہ کے لیے مختلف قسم کے پر کشش فاصلاتی دینی کورسیز جاری کریں، (۶) اعلیٰ قسم کے معیاری اسکول قائم کئے جائیں جس میں دینی تعلیم و تربیت کا بہترین نظم ہو۔

مذکورہ بالا تجاویز کو وسیع پیمانہ پر عملی جامہ پہنایا جائے اور آخر الذکر یعنی اسلامی خطوط پر اعلیٰ قسم کے معیاری اسکولوں کے قیام پر خاص توجہ دی جائے اور ملک کے مختلف علاقوں میں اسکول قائم کئے جائیں تاکہ دیگر مذاہب کے بچے بھی ہمارے اسکولوں کا رخ کریں، جس طرح ہم اپنے بچوں کو مشنری اسکولوں میں ان کے تعلیمی اسٹینڈرڈ کی وجہ سے داخل کرواتے ہیں اسی طرح وہ داخل کروائیں، اور یہ اسکولس اقدار و روایات کے فروغ کا بہترین ذریعہ ہوں گے۔

# امت کیسے بنے گی؟

حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ

”یہ امت حضور ﷺ کے خون اور فاقوں سے بنی تھی، اب ہم اپنی معمولی معمولی باتوں پر امت کو توڑ رہے ہیں، یاد رکھو! نماز جمعہ چھوڑنے پر بھی اتنی پکڑ نہیں ہوگی جتنی امت کے توڑنے پر ہوگی، جب امت بنے گی تو امریکہ اور روس کی طاقتیں بھی ان کے سامنے جھکیں گی، اور امت پنا جب آئے گا جب ہر مسلمان دوسرے مسلمان کے مقابلہ میں چھوٹا بنے گا اور تواضع کو اپنائے گا۔

اپنے نفسوں اور اپنی ذاتوں کو قربان کیا جائے تو امت بنے گی، اور امت بنے گی تو عزت ملے گی، عزت اور ذلت روس اور امریکہ تک کے نقشوں میں نہیں ہے بلکہ خدا کے ہاتھ میں ہے اور اس کے ہاں اصول اور ضابطہ ہے، جو شخص یا قوم، خاندان طبقہ چمکانے والے اصول اور اعمال لاوے گا اس کو چمکا دیں گے، جو مٹنے والے کام کرے گا اس کو ہٹا دیں گے۔ یہود، نبیوں کی اولاد ہیں، اصول توڑے تو اللہ نے ٹھوکر مار کے ان کو توڑ دیا، صحابہ کرام بت پرستوں کی اولاد تھے، انہوں نے چمکانے والے اصول اختیار کیے تو اللہ نے ان کو چمکا دیا، اللہ کی رشتہ داری کسی سے نہیں، اس کے ہاں اصول اور ضابطہ ہے۔

اپنے کو اس محنت پر جھونک دو کہ حضور ﷺ کی امت میں امت پنا آجائے، اس میں ایمان و یقین آجائے، یہ ذکر، و تسبیح اور تعلیم والی، خدا کے سامنے جھکنے والی، خدمت کرنے والی، برداشت کرنے والی، دوسروں کا اکرام و اعزاز کرنے والی امت بن جائے، نجویٰ نہ کرنے والی، اپنے بھائیوں اور ساتھیوں کی تحقیر اور تمسخر اور تجسس اور غیبت نہ کرنے والی امت بن جائے، اگر کسی ایک علاقہ میں بھی محنت اس طرح ہونے لگے جس طرح ہونی چاہیے تو ساری دنیا میں بات چل پڑے گی۔

اب اس کا اہتمام کرو کہ مختلف قوموں، علاقوں اور طبقوں اور مختلف زبانوں کو جوڑ جوڑ کر جماعتوں میں بھیجو، اور اصول کی پابندی کراؤ، پھر انشاء اللہ امت بننے والا کام ہوگا۔“

# ایمانی حرارت

ابوالعباس خاں

یہ حضرت عمر فاروقؓ کا عہد خلافت ہے، فتوحات کا سلسلہ جاری ہے، اسلامی فوجیں روم کی سرحد میں داخل ہوچکی ہیں، کافر فوجیں بھی مقابلہ کے لیے تیار ہیں، شہنشاہ روم قیصر کا فرمان جاری ہوتا ہے کہ اگر مسلمان فوجی گرفتار ہوں تو انھیں قتل نہ کیا جائے بلکہ اس کے دربار میں حاضر کیا جائے، خدا کی مرضی چند مجاہدین دشمن کے گھیرے میں آگئے، ان میں صحابی رسول ﷺ عبداللہ ابن حذافہؓ بھی تھے، سپاہیوں نے انھیں گرفتار کرلیا، اور قیصر کے دربار میں حاضر کیا۔

قیصر نے عبداللہ ابن حذافہؓ کو اوپر سے نیچے تک غور سے دیکھا، مطمئن چہرہ، نہ خوف نہ گھبراہٹ، سر سے پیر تک بیڑیاں لیکن حوصلہ دنیا کو فتح کرنے کا! قیصر نے بڑی اپنائیت سے کہا کہ اگر تم عیسائی مذہب اختیار کرلو تو میں تمہاری جان بخش دوں گا۔

عبداللہ ابن حذافہؓ نے حقارت اور نفرت سے اس کی بات ٹھکرادی اور کہا ”موت مجھے تمہاری اس پیش کش سے ہزار گنا زیادہ محبوب ہے۔“

قیصر نے کچھ تحمل سے کام لیا، اس کی نظروں میں امید کی چمک باقی تھی، دنیا میں ہر انسان بکتا ہے، اس نے قیمت لگائی کہ اگر تم نے میرا مذہب اختیار کرلیا تو میں تمھیں حکومت واقتدار میں شریک کرلوں گا۔

لیکن عبداللہ بن حذافہؓ نے کرخت لہجہ اور پورے جوش کے ساتھ کہا کہ تم مجھے عرب وعجم کی شہنشایت بھی دے دو تب میں دین محمدیؐ کے ایک نکتہ سے بھی دستبردار نہیں ہوسکتا۔

قیصر یہ جواب سن کر تلملا اٹھا، سانسیں پھولنے لگیں، چہرہ کا رنگ سرخ ہوگیا، آنکھوں میں قہر اتر آیا، خدائی کا دعوی کرنے والا شہنشاہ ایک معمولی عرب سے مات کھا رہا تھا، شکست کی چوٹ اس کی روح پر پڑ رہی تھی، طیش میں حکم دیا کہ اسے تیروں سے چھلنی کردیا جائے، لیکن دفعۃً یہ سوچ کر کہ اس میں تو اسی کی ہار ہے اس نے تیرانداز کو کچھ اشارہ کیا۔

تیرانداز نے عبداللہ ابن حذافہؓ کے چاروں طرف تیر برسائے، اور قیصر کہتا رہا کہ اس دردناک موت سے بچنے کی ایک ہی صورت ہے کہ میری بات مان لو۔ لیکن ہر تیر پر وہ سختی سے انکار کرتے رہے۔

قیصر نے حکم دیا کہ آگ جلائی جائے، پھر تیل سے بھری ایک دیگ اس پر چڑھادی گئی، تیل کھولنے لگا، دو مسلم قیدیوں کو لایا گیا، اس کھولتے ہوئے دیگ میں انھیں زندہ ڈال دیا گیا، ان کی کرب انگیز چیخ سے درباریوں کی روح کانپ اٹھی، بدن کا گوشت جل بھن کر الگ ہو گیا، ہڈیاں تیرنے لگیں، پورے ماحول پر سناٹا چھا گیا، کسی میں ہمت نہ تھی کہ اپنی زبان کو حرکت دے سکے، قیصر قہر وغضب کا پتلا بنا ہوا تھا، اس کی آنکھوں سے خدائی کا احساس چھلک رہا تھا، اس کی آواز میں نخوت وکبریائی کا لہجہ تھا، اس نے گرجتے ہوئے کہا: اگر تم نے عیسائیت کو قبول نہ کیا تو تمہارا انجام اس سے زیادہ دردناک ہوگا۔

زنجیروں میں جکڑے ہوئے بوجھل قیدی نے اپنی نظریں اوپر اٹھائیں، نڈھال جسم میں طاقت یکجا کی اور سینہ تان کر کہا ”خدا کی قسم تم میرے ایمان کا سودا نہیں کرسکتے“۔

قیصر نے جھنجلا کر کہا لے جاؤ اسے اور اس کھولتے ہوئے دیگ میں ڈال دو۔ عبداللہؓ کی آنکھوں سے آنسو چھلک پڑے، قیصر نے سمجھا کہ موت کے خوف نے انھیں کمزور کردیا ہے، ان کی ہمت جواب دے چکی ہے، اب ان میں قوت برداشت نہیں، اس نے کہا کہ عیسائیت قبول کرلو، میں تمہاری جان بخش دوں گا۔ لیکن انھوں نے سختی سے انکار کردیا۔ قیصر نے کہا کہ پھر تمہاری آنکھوں سے یہ آنسو کیوں چھلکے؟

عبداللہ بن حذافہ نے کہا مجھے خیال آیا کہ ابھی مجھے دیگ میں ڈالا جائے گا اور میری روح پرواز کرجائے گی، جبکہ میری خواش تھی کہ میرے جسم میں جتنے بال ہیں میرے اندر اتنی جان ہوتی، اور راہ خدا میں ہر جان ایک ایک کرکے اس کھولتے ہوئے دیگ میں ڈال دی جاتی۔

یہ جواب سن کر قیصر کا قہر وغضب جاتا رہا، اس کا تنا ہوا جسم ڈھیلا پڑ گیا، عبداللہؓ کے قریب آیا اور بڑی نرمی سے آخری بات کہی کہ اگر تم میرے سر کو بوسہ دو تو میں تمھیں اور تمہارے ساتھیوں کو رہا کردوں گا۔

عبداللہ ابن حذافہؓ نے کچھ غور کیا کہ ایک کافر کے سر کو چومنا ہے لیکن یہ کوئی خلاف شریعت کام نہ تھا، چنانچہ انھوں نے قیصر کے سر کو بوسہ دیا، قیصر نے اپنا وعدہ پورا کیا اور سبھی مسلم قیدیوں کو بھی رہا کردیا۔

عبداللہ بن حذافہؓ نے حضرت عمرؓ سے ساری روداد سنائی، حضرت عمرؓ قیدیوں کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور کہا کہ ہر مسلمان پر حق ہے کہ عبداللہؓ کے سر کو بوسہ دے، اور یہ حق سب سے پہلے میں ادا کرتا ہوں۔

# تہجد کی نماز

**تہجد:-** آدھی رات سے اٹھ کر نماز پڑھنے کو تہجد کہتے ہیں، تہجد پڑھنے کا بہت ثواب ہے، اس نماز کی اللہ کے رسول ﷺ نے ہمیشہ پابندی فرمائی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو ترغیب بھی دلائی، حدیث شریف میں ہے: "فرض نمازوں کے بعد نفل نمازوں میں تہجد کی نماز سب سے بڑھ کر ہے"۔

**تہجد کا وقت:-** اس کا وقت عشاء کی نماز کے بعد سے شروع ہوتا ہے اور صبح صادق سے پہلے پہلے تک رہتا ہے، سنت طریقہ یہ ہے کہ عشاء کی نماز کے بعد سو جائیں اور آدھی رات کو اٹھ کر تہجد کی نماز پڑھیں، آپ ﷺ سو کر جب تہجد کے لیے اٹھتے تھے تو یہ دعا پڑھتے تھے، "اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ وَأَنْتَ قَيِّمُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَنْ فِيهِنَّ، وَلَكَ الْحَمْدُ نُورُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَنْ فِيهِنَّ، وَلَكَ الْحَمْدُ مُلْكُ السَّمٰوَاتُ وَالْأَرْضُ وَمَنْ فِيهِنَّ، وَلَكَ الْحَمْدُ، أَنْتَ حَقٌّ وَوَعْدُكَ حَقٌّ، وَلِقَاءُكَ حَقٌّ، وَقَوْلُكَ حَقٌّ، وَالْجَنَّةُ حَقٌّ، وَالنَّارُ حَقٌّ، وَالنَّبِيُّوْنَ حَقٌّ، وَمُحَمَّدٌ حَقٌّ، وَالسَّاعَةُ حَقٌّ، اَللّٰهُمَّ لَكَ أَسْلَمْتُ وَبِكَ آمَنْتُ وَعَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ وَبِكَ خَاصَمْتُ وَاِلَيْكَ حَاكَمْتُ فَاغْفِرْ لِيْ مَا قَدَّمْتُ وَمَا أَخَّرْتُ وَمَا أَسْرَرْتُ وَمَا أَعْلَنْتُ وَمَا أَنْتَ أَعْلَمُ بِهٖ مِنِّيْ، أَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَأَنْتَ الْمُؤَخِّرُ- لَا اِلٰهَ اِلَّا أَنْتَ وَلَا اِلٰهَ غَيْرُكَ." اور آپ ﷺ سورۂ آل عمران کی آخری دس آیات تلاوت فرماتے تھے۔

**نماز تہجد کی رکعات:-** نماز تہجد کی رکعات کم سے کم چار اور زیادہ سے زیادہ بارہ ہیں، دو دو کر کے پڑھنا چاہیے، اگر چار نہ پڑھ سکیں تو دو ہی کیوں نہ ہو، پڑھ لینا چاہیے، البتہ اگر رات کو بالکل نہ اٹھ سکتے ہوں تو سونے سے پہلے چند رکعات اسی نیت سے پڑھ لینا چاہیے، لیکن رات کو اٹھ کر پڑھنے میں زیادہ ثواب ہے، خواہ کم رکعات ہی پڑھنے کا موقع میسر ہو سکے، روزانہ پابندی سے اس پر عمل کرنا چاہیے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کو وہ اعمال پسند ہیں جو مسلسل ہوں اگرچہ تھوڑے ہوں۔

**نیت:-** نیت دل کے ارادہ کو کہتے ہیں، دل کے ارادہ کے ساتھ زبان سے نیت کے الفاظ ادا کر لینا بہتر ہے، نیت کے الفاظ یہ ہیں "نَوَيْتُ أَنْ أُصَلِّيَ لِلّٰهِ تَعَالٰى رَكْعَتَيْ صَلَاةَ التَّهَجُّدِ سُنَّةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى مُتَوَجِّهاً اِلٰى جِهَةِ الْكَعْبَةِ الشَّرِيْفَةِ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ" اور اردو میں اس طرح کہیں "میں اللہ کے لیے دو رکعت تہجد نماز کی نیت کرتا ہوں، منھ میرا کعبہ شریف کی طرف، اللہ اکبر"۔

R.N.I. No.
UPURD/2009/28748

Monthly
# Payam-e-Arafat
Raebareli

Postal Reg. No.
RBL/NP - 09

Volume: 07 | MAY 2015 | Issue: 05

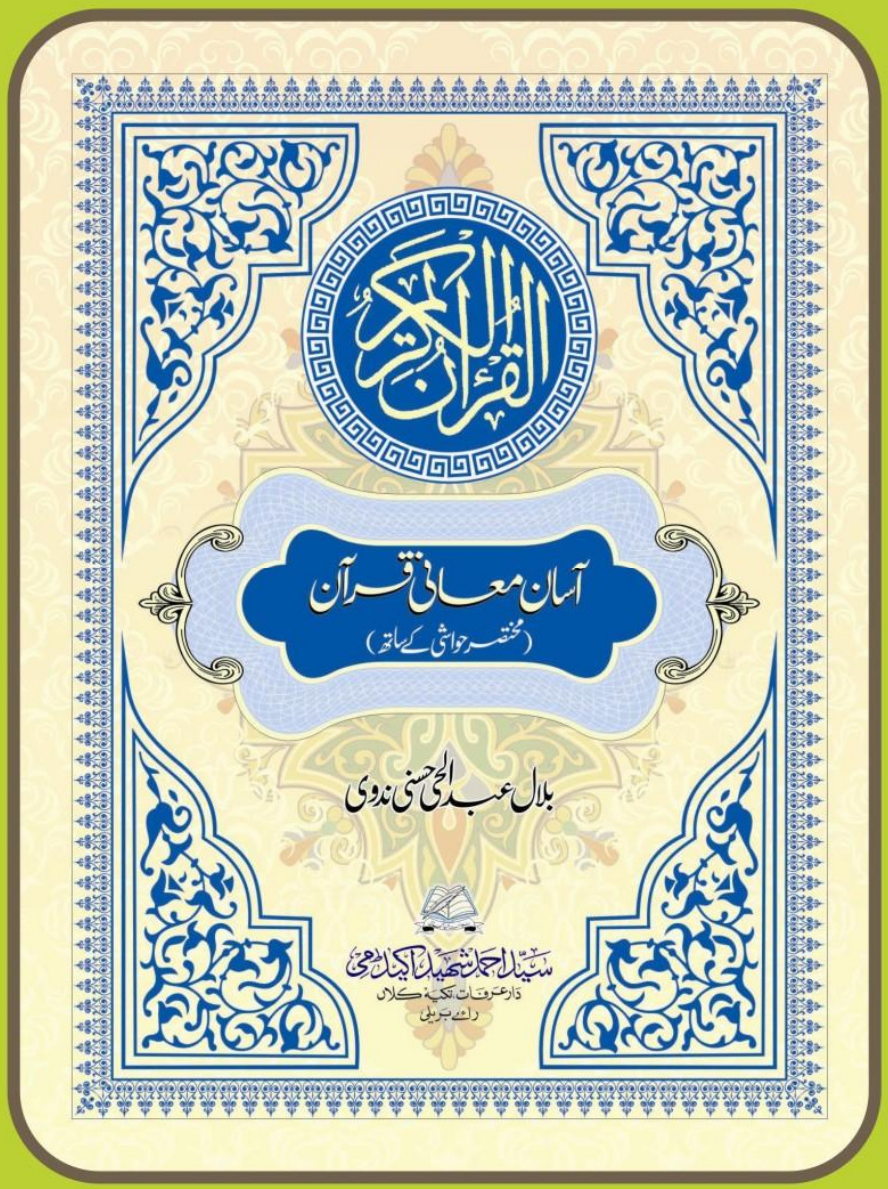


## Contact: 9919331295

Editor: Bilal Nadwi H
MARKAZUL IMAM ABIL HASAN AL-NADWI
E-Mail: markazulimam@gmail.com - Dare Arafat, Takiya Kalan, Raebareli (U.P.) 229001 - Mobile: 9792646858
Printed & Published by: Mohammad Hasan Nadwi, On Behalf of Markazul Imam Abil Hasan Al-Nadwi.
Printed at S.A. Offset Printers, masjid ke Peeche, Phatak Abdullah Khan, Sabzi Mandi, Station Road, Raebareli (U.P.)